قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا۔

جولائی ۱۹۹۷ء

1997
1997

ماہنامہ

المرشد

تصوف کیا نہیں

تصوف کے لیے نہ کشف و کرامات شرط ہے نہ دنیا کے کاروبار میں ترقی دلانے کا نام تصوف ہے، نہ تعویذ گنڈوں کا نام ہے نہ جھاڑ پھونک سے بیماری دور کرنے کا نام تصوف ہے نہ مقدمات جیتنے کا نام تصوف ہے، نہ قبروں پر سجدہ کرنے ان پر چادریں چڑھانے اور چراغ جلانے کا نام تصوف ہے اور نہ آنے والے واقعات کی خبر دینے کا نام تصوف ہے۔ نہ اولیاء اللہ کو غیبی ندا کرنا، مشکل کشا اور حاجت روا سمجھنا تصوف ہے، نہ اس میں ٹھیکیداری ہے کہ پیر کی ایک توجہ سے مرید کی پوری اصلاح ہو جائے گی اور سلوک کی دولت بغیر مجاہدہ اور بدون اتباع سنت حاصل ہو جائے گی۔ نہ اس میں کشف و الہام کا صحیح اترنا لازمی ہے اور نہ وجد و تواجد اور رقص و سرود کا نام تصوف ہے۔ یہ سب چیزیں تصوف کا لازمہ بلکہ عین تصوف سمجھی جاتی ہیں حالانکہ ان میں سے کسی ایک چیز پر تصوف اسلامی کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ یہ ساری خرافات اسلامی تصوف کی عین ضد ہیں۔ (دلائل السلوک)

اویسیہ سوسائٹی کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو ویڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ اپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ اپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور اپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1- مفسّر، مترجّم و مفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کی آڈیو، وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2- مشکوٰۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔ 3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔ 4- اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔ 5- حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6- ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8- اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9- سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا اپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255

تصوّف کیا ہے؟

لُغت کے اِعتبار سے تصوّف کی اصل خواہ صوف ہو اور حقیقت کے اِعتبار سے اس کا رشتہ چاہے صفا سے جا ملے ، اِس میں شک نہیں کہ یہ دین کا ایک اہم شعبہ ہے جس کی اساس خلوص فی العمل اور خلوص فی النیّت پر ہے اور جس کی غایت تعلق مع اللہ اور حصولِ رضائے الٰہی ہے ۔ قرآن و حدیث کے مطالعے ، نبیِٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ اور آثارِ صحابہؓ سے اس حقیقت کا ثبوت مِلتا ہے ۔

(دلائل السلوک)

ماہنامہ
المرشد لاہور
سی . پی . ایل . نمبر ۳

جلد :　　۱۴ھ بمطابق :　　۱۹۹ء شمارہ :

مدیر :- تاج رحیم ★ سرکولیشن مینجر :- رانا جاوید احمد

اس شمارے میں

		صفحہ نمبر
اداریہ اہم ضرورت	مدیر	۳
مسلمان کی زندگی کا ماڈل	مولانا محمد اکرم اعوان	۵
بنیاد پرستی؟	ہفت روزہ الہلال	۱۲
ایمان اور عمل کا تعلق	مولانا محمد اکرم اعوان	۲۵
تحریک تبدیل نظام یا؟	قاضی غیاث الدین جانباز	۳۲
طریقہ دلال	مولانا محمد اکرم اعوان	۳۵
منافقت	مولانا محمد اکرم اعوان	۴۱

ناشر :- پروفیسر حافظ عبدالرزاق :
انتخاب جدید پریس لاہور
فون :- ۶۳۱۴۳۶۵۰

پتہ :- ماہنامہ المرشد - اویسیہ سوسائٹی، کالج روڈ ٹاؤن لاہور: ۵۱۸۰۴۶۷

ماہنامہ **المرشد** کے

بانی : حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ
مجددِ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست : حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ
شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

مشیر اعلیٰ

نشرواشاعت : پروفیسر حافظ عبدالرزاق ایم اے (عربی) ایم اے (اسلامیات)

ناظر اعلیٰ : کرنل (ریٹائرڈ) مطلوب حسین

مدیر : تاج رحیم

بدل اشتراک

فی پرچہ ۱۵ روپے

	سالانہ	تاحیات
پاکستان	۱۶۵ روپے	۲۵۰۰ روپے
غیر ملکی		
سری لنکا بھارت بنگلہ دیش	۴۰۰ روپے	۴۰۰۰ روپے
مشرق وسطیٰ کے ممالک	۹۰ سعودی ریال	۷۰۰ سعودی ریال
برطانیہ اور یورپ	۲۵ سٹرلنگ پونڈ	۱۳۰ سٹرلنگ پونڈ
امریکہ	۱۴۵ امریکن ڈالر	۱۳۰۰ امریکن ڈالر
کینیڈا	۱۵۰ امریکن ڈالر	۱۳۵۰ امریکن ڈالر

اداریہ

اھم ضرورت

سلسلہ عالیہ کا جو طریقہ تربیت ہے اس میں گوشہ نشینی کا کوئی سلیبس شامل نہیں۔ بلکہ تربیت کا مقصد ہی یہ ہے کہ فرد کی اصلاح کرکے اسے معاشرے میں زندہ رہنے کا سلیقہ دیا جائے۔ سالکین کی اپنی انفرادی زندگی کی اہمیت سے انکار نہیں لیکن معاشرے سے کٹ کر انفرادی زندگی گزارنا اور جینا اسلامی اصولوں کا حصہ نہیں۔ ذکرواذکار فرد کے قلب و ذہن کی صفائی اور روحانی قوت بخشنے کا طریقہ کار ہے اور اس طریقہ کار کو دل کی آنکھوں کو روشن کرنے اور قلب کے جنریٹر کو چالو کرنے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے یہاں تک مقصد رک نہیں جاتا بلکہ روشن نگاہیں دوسروں کو راہ دکھانے کیلئے روشن کی جاتی ہیں اور طاقت ور دل کو معاشرے کی اصلاح کرنے' مثبت تبدیلی لانے اور بہتر بنانے کیلئے زیادہ قوت کے ساتھ کام کرنے کے قابل بنایا جاتا ہے۔ یہ جو سالکین کیلئے ذکر و اذکار کی محفلیں ترتیب دینے کا انتظام کیا جاتا ہے۔ اس میں اسی مقصد کو پیش نظر رکھا جاتا ہے کہ سالکین کا تزکیہ اور علم سے ان کو جو شعور' عقل اور قوت نصیب ہوتی ہے اسے اپنی ذات تک محدود رکھنے کی بجائے اس فیض کو اپنی اپنی پہنچ تک کے معاشرے میں تقسیم کیا جائے اس کیلئے ایک موثر طریقہ یہ ہے کہ جب آپ اپنے مراکز ذکر میں' روزانہ' ہفتہ وار یا ماہانہ اجتماعی ذکر میں شامل ہوتے ہیں تو ذکر کے فورا بعد اپنی اپنی راہ لینے کی بجائے گھنٹہ آدھ کیلئے تمام ساتھی آپس میں گھل مل جائیں باتیں کریں' اپنے مسائل اور دکھ درد میں ایک دوسرے کو شریک کریں۔ دینی' سیاسی اور معاشرے کے مسائل پر بات چیت کریں۔ معاشرے کی اصلاح کیلئے سلسلہ عالیہ کی طرف سے جو ذمہ داریاں آپ پر عائد ہوتی ہیں ان کو پورا کرنے کے طریقہ کار پر آپس میں بحث کریں۔ راہ میں مشکلات' رکاوٹوں اور کامیابیوں سے ایک دوسرے کو آگاہ کریں۔ آپس میں صلاح مشورہ کریں۔ آگے چلنے اور کام کرنے کیلئے جو ہدایات ملتی ہیں ان کو کامیابی کے ساتھ پورا کرنے کیلئے آپس میں صلاح مشورہ کریں۔ آپ جو وقت ذکر اور اذکار کے بعد آپس میں بات چیت میں گزارتے ہیں وہ بھی آپ کی تربیت کا ہی حصہ ہے۔ جن مراکز میں رات بسر کرنے کی سہولت موجود ہے وہاں ساتھی ماہانہ اجتماع کیلئے آکر رات ایک ساتھ بسر کریں۔ یوں آپ کو ذکر و اذکار کے علاوہ آپس میں گھل ملنے کیلئے زیادہ وقت مل سکے گا۔ اور یوں آپ اپنی کارکردگی کو سمجھنے اور زیادہ موثر طریقے سے کام کرنے کیلئے تیاری کر سکیں گے۔ سلسلہ عالیہ کے اس اصول رشتہ داری کو ہر لمحہ یاد رکھئے کہ تمام ساتھی آپس میں ایک رشتے میں منسلک ہیں۔ جو خون کے ہر رشتے اور دنیوی تعلقات سے بالاتر اور مضبوط تر ہے۔ آپ کا آپس کا رشتہ بھائی بھائی کا ہے۔ عمر کے لحاظ سے باپ بیٹے کا ہے اور سب سے بڑھ کر گہرے دوستوں کا ہے اس رشتے کو مزید گہرا اور مضبوط کرنے اور سلسلہ کے مقاصد کو آگے بڑھانے کیلئے آپ کا آپس میں میل جول' اپنے دکھ درد بانٹنا' ایک دوسرے کی مدد کرنا اور مل جل کر کام کرنا مقصد کی اہم ضرورت ہے اس ہر حال میں پورا کیجئے۔

تاج رحیم

سالانہ اجتماع

10 جولائی (جمعرات) سے دارالعرفان میں سالانہ اجتماع شروع ہوگا

- تزکیۂ نفس کے لیے صحبتِ شیخ لازمی ہے۔ سلوک میں صحیح راہنمائی، باقاعدہ تربیت حاصل کرنے اور آگے ترقی کیلئے اِس اجتماع میں آپ کا شامل ہونا ضروری ہے۔
- اس اجتماع کا مقصد ہی یہ ہے کہ سالکین کی صحیح اور باقاعدہ تربیّت کے ساتھ ساتھ صحبتِ شیخ بھی نصیب ہو۔ تاکہ آپ کے قلوب اُن انوارات و برکات سے روشن ہو جائیں جو صرف صحبتِ شیخ سے ہی نصیب ہوتی ہے۔
- وطن کے دُور دراز علاقوں اور غیر ممالک سے آنے والے سالکین کے ساتھ میل جول بھی آپ کے لیے باعثِ برکت ہے

وقت نکال کر ضرور دارُالعرفان منارہ تشریف لائیں۔

دارالعرفان خوشاب اور چکوال کے درمیان
سرگودھا روڈ پر واقع ہے۔

مسلمان کی زندگی کا ماڈل

مولانا محمد اکرم اعوان

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِی رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ

بحیثیت قوم اس وقت مسلمانوں کی کوئی حیثیت ' کوئی آبرو اور کوئی عزت نہیں ہے دنیا میں جتنی اقوام بستی ہیں ان میں بہت سی کمزور بھی ہیں معاشی اعتبار سے' بہت سی ایسی ہیں جو افرادی قوت کے اعتبار سے کمزور ہیں بہت سی اقوام ایسی ہیں جو ابھی تک تہذیب سے آشنا نہیں ہیں اور جنگلوں اور ویرانوں میں رہتی ہیں۔ اور انہیں پوری طرح سے لباس کا شعور بھی نہیں ہے اور بعض ایسی بھی ہیں آسٹریلیا کے وحشی قبائل میں اب ایک قبیلہ ایسا بھی ہے جس نے موجودہ دور کی معاشیات میں اپنا مقام پیدا کیا ہے بہت دولت کمائی ہے اور بہت سہولتیں ہیں اس کے پاس۔اس میں انہوں نے اپنے پرائیویٹ ہوائی جہاز رکھے ہوئے ہیں بہترین گاڑیاں ہیں ان کے پاس۔ ہر گاؤں میں بہت بڑا ڈش انٹینا لگا ہوا ہے پوری دنیا کو وہ دیکھتے ہیں لیکن عجیب بات یہ ہے کہ وہ اسی مٹی سے اپنے چہرے رنگتے ہیں اسی طرح کا لباس وہ جو کمر کے گرد چھال سی باندھتے ہیں یا جو جو ان کا خاندانی لباس' قومی لباس اور قومی شعار آ رہا ہے اسی طرح سے وہ اپنی زندگی گزار رہے ہیں اور اسی طرح کے وہ اپنے خیموں وغیرہ میں رہتے ہیں اب پکے گھر بھی بنا رہے ہیں

لیکن اس طرح کے نہیں کہ وہ ان کی تہذیب کو مٹا سکیں لڑنے کے وہ قابل نہیں۔فوج ان کے پاس نہیں کسی ملک پر ان کی حکومت نہیں لیکن اپنی ٹیراٹری جو اس قبیلے کی ہے وہ اپنا ملک ہے اور اس کے اندر انکا اپنا قانون ہے اپنا سب کچھ ہے۔

صرف ایک مسلمان قوم ایسی قوم ہے جس کا کوئی قانون نہیں جس کی کوئی معیشت نہیں جس کی کوئی معاشرت نہیں جس کے پاس سلطنتیں ہیں حکومتیں ہیں افواج ہیں جس کے پاس چھپن یا باون ممالک ہیں۔ جس کے پاس دنیا کا بہت بڑا خطہ ہے حصہ ہے زرخیز زمینیں ہیں گرم سمندر ہیں بندرگاہیں ہیں برف پوش پہاڑ ہیں صحرا اور ڈیزرٹ ہیں لیکن اس سب کے باوجود دنیا میں سب سے کمزور اور اس وقت کی سب سے بڑی مظلوم اکثریت' اقلیت نہیں' ہے اس وقت کی مظلوم اکثریت مسلمان ہیں آخر کیوں؟ مسلمان کسے کہتے ہیں جو اس بات کو تسلیم کر لے جو محمد رسولؐ لائے ہیں وہ بات کیا ہے وہ بات ہے۔ توحید باری پر پختہ یقین اور ساری امیدوں کو

اللہ سے وابستہ کرنے کا نام یعنی اللہ کو رب ماننے کا نام اللہ کی طاقت اللہ کی عطا' اللہ کے کرم' اللہ کے احسانات اور اس کی قدرت کاملہ پر یقین کا نام۔ اپنے سارے مفادات اللہ سے حاصل کرنے کا نام اور ہمیشہ اللہ کے غضب سے بچنے کی تدبیریں کرنے کا نام۔ یہ ہے اسلام اور اللہ کے غضب سے بچنے کی اور اللہ سے انعام حاصل کرنے کی تدبیریں کیا ہیں فرمایا۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ تمہارے لئے بہترین نمونہ جو ہے وہ رسولؐ کی ذات ستودہ صفات میں ہے۔ یعنی جو کام جس انداز سے حضور اکرمؐ نے کیا ہے وہ کام اس انداز سے کرنا ہی اسلام ہے اور جس کام کو جہاں سے ہم چھوڑ دیں گے یا مخالفت کریں گے اتنا ہمارا کردار یا ہمارا عمل یا ہمارا شعور یا ہماری سوچ اسلام سے بیگانہ ہوتی چلی جائے گی۔ اس کام میں عقیدہ ہے عمل ہے اخلاقیات ہیں سیاسیات ہیں لباس ہے میل جول ہے پوری زندگی کا ایک نصاب ہے۔

میر نے کیا شعر کہا ہے۔

میر کیا سادہ ہیں کہ بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں

سب سے پہلی بڑی سادگی تو یہ ہے کہ ہر مسلمان یہ کہتا ہے کہ اس پر مغرب ظلم کر رہا ہے یہودی ظلم ڈھا رہا ہے عیسائی ظلم ڈھا رہا ہے اور مغرب کی لا دینی طاقتیں اس پر ظلم ڈھا رہی ہیں لیکن میرے بھائی کسی کو ایک وقت کا کھانا مل جائے سہی وہ صاحب بن جاتا ہے ایک وقت کی روٹی جسے نصیب ہے وہ کھری سے لے کر چوٹی تک' انگریز جیسا یہودی جیسا عیسائی جیسا بننا چاہتا ہے عجیب مغرب سے دشمنی ہے اور عجیب بات ہے کہ آپ کہتے ہیں یہ لوگ ہماری عزت لوٹ رہے ہیں یہ لوگ ہماری جان کے دشمن ہیں یہ لوگ ہمارے دین کے دشمن ہیں تو پھر اگر اتنے ہی وہ دشمن ہیں تو مسلمانوں کو کیا

صرف ایک مسلمان قوم ایسی ہے جس کا کوئی قانون نہیں ' جس کی اپنی کوئی معشیت نہیں ' جس کی اپنی کوئی معاشرت نہیں ' جس کے پاس سلطنتیں ہیں ' حکومتیں ہیں ' افواج ہیں ' جن کے پاس باون یا چھپن ممالک ہیں ' جن کے پاس دنیا کا بہت بڑا خطہ ہے ' زرخیز زمین ہے ' گرم سمندر ہیں ' بندرگاہیں ہیں ' برف پوش پہاڑ ہیں لیکن اس کے باوجود دنیا میں سب سے کمزور اور مظلوم اکثریت ہے۔

مصیبت ہے کہ ہمارا ہر وہ بندہ جسے دو وقت کا کھانا مل جائے وہ ان جیسا رہنا ان جیسا بننا ان جیسا لباس ان جیسا حلیہ ان جیسی بات سارا کچھ اس انداز میں کرنا پسند کرتا ہے۔ یعنی ہم خود اسلام کے دشمنوں کو صرف پسند نہیں کرتے بلکہ اپنے آپ کو ان کے قالب میں ڈھالنا چاہتے ہیں تو پھر اسلام کا یہودی تو دشمن تھا نزول اسلام کے وقت' اسلام کا عیسائی تو دشمن تھا نزول اسلام کے وقت دہریا تو نزول اسلام کے وقت سے دشمن تھا' بت پرست اور مشرک تو جب اسلام ظاہر ہوا ظہور اسلام کے وقت سے دشمن تھا وہ تو اسلام کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ وہ نہ حضورؐ کی تبلیغ روک سکے نہ اسلامی سیاست پر چھا سکے نہ اسلامی فتوحات روک سکے اسلام دن بدن پھیلتا گیا ان کی دشمنی اسلام کو نقصان نہیں پہنچا رہی۔ آج اگر اسلام کو نقصان پہنچ رہا ہے تو یہ ہماری دشمنی سے۔ اب ہم اسلام کے دشمن ہیں۔ یہودی عیسائی بے دین مشرک دہریے یہ اسلام کے دوست کب تھے۔ یعنی جب ظہور اسلام ہوا جب حضورؐ نے نبوت کا دعوی فرمایا تو یہ ساری طاقتیں آپؐ کے خلاف متحد ہو گئیں تھیں اور آخر دم تک یہ اپنا سارا زور لگاتے رہے نہ یہ اسلام کو روک سکے نہ اسلامی تہذیب کو روک سکے نہ اسلامی قوانین کو روک سکے نہ اسلامی فتوحات کو روک سکے نہ اسلامی سلطنت کو

روک سکے تو پھر آج اسلامی سلطنت کو کس نے روک رکھا ہے میں نے اور آپ نے۔

ہماری وفائیں اسلام سے کٹ کر ہماری امیدیں اللہ سے کٹ کر ہماری خواہشات اور بھروسہ اللہ سے کٹ کر مغرب پر جا پڑا ہے۔ اس ملک میں دیکھو کیا نہیں ہے۔ جتنی سہولتیں آج پاکستان میں موجود ہیں دنیا کے کسی ملک میں کسی ایک شہری کے پاس اتنی سہولتیں نہیں ہیں۔ ایک بندہ فوج میں سپاہی ہے اس کے خاندان کے دس بندے پل رہے ہیں اور وہ کچھ نہیں کرتے موج کر رہے ہیں دس بیگھے پندرہ بیگھے کسی کے پاس زمین ہے اپنی کاشت کرتا ہے عزت سے گزارا کر رہا ہے پندرہ بیس بھیڑیں بکریاں جس نے رکھ لی ہیں وہ دن بھر اپنی بھیڑیں چرا کے لے آتا ہے اسے کسی کی فکر ہی نہیں دو وقت کا کھانا بھی مل جاتا ہے بچے بھی پال رہا ہے آپ دنیا کے کسی ملک میں جائیں گھر کے دس بندے ہیں تو دس ہی سارا دن صبح سے شام تک مزدوری کرتے ہیں اور شام کو دس بندے مل کر کھانا نہیں کھا سکتے کبھی دس بندوں کو اکٹھا گھر میں رات گزارنا نصیب نہیں۔ دنیا میں جاپان سے لے کر امریکہ تک پھر جائیں کسی کو ڈرائیور نصیب نہیں ہے میاں اپنی گاڑی خود چلاتا ہے بیوی خود چلاتی ہے بیٹی خود چلاتی ہے بیٹا خود چلاتا ہے انگلستان میں بھی ایسے لوگ جن کے پاس ملازم ڈرائیور ہیں انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں اور امریکہ میں بھی آپ انگلیوں پر گن سکتے ہیں ایسے لوگوں کو جنہوں نے ملازم اپنا ذاتی ڈرائیور رکھا ہوا ہے۔ گھر میں جھاڑو دینے یا کھانا پکانے کے لئے نوکر کا تصور ہی نہیں ہے بیوی اگر کھانا پکاتی ہے تو میاں برتن دھوتا ہے بیوی کپڑے دھوتی ہے تو میاں استری کرتا ہے یعنی یہ کوئی تصور نہیں ہے کہ انہیں کوئی برتن دھونے کے لئے کوئی نوکر مل سکے اگر کسی کے پاس ہے تو لاکھوں میں کوئی ایک بندہ ہو گا۔ یہاں کس چیز کی کمی ہے بھائی۔ یہاں تو ایک بندہ گاؤں کا ایک عام دیہاتی مرجاتا ہے تو اس کے فاتحہ اس کے جنازہ کے لئے ساری دنیا جمع ہو جاتی ہے قبریں مفت میں کھو دی جاتی ہیں کھانا پکانے والے مفت میں آ جاتے ہیں مہینہ مہینہ، لوگ بیٹھے حقہ پیتے رہتے ہیں اور گاؤں کے، غریب کی جو ہیں وہ انہیں حقہ پلاتے رہتے ہیں وہاں تو کوئی پوچھتا ہی نہیں ملتا کوئی نہیں ایک بندہ دفن کرنا پڑے امریکہ میں تو کم از کم پانچ سے سات ہزار ڈالر تک خرچ ہو جاتے ہیں تب ایک بندے کی قبر بنتی ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ آپ حلال کھانا چاہیں کوئی پابندی نہیں نماز پڑھانا چاہیں مسجد بنانا چاہیں نیک رہنا چاہیں کوئی پابندی نہیں امریکہ میں آپ دکان بنائیں خنزیر اور شراب نہ بیچیں دکان کی اجازت نہیں ملتی جتنے لوگ وہاں بزنس کرتے ہیں جتنوں نے سٹور بنا رکھے ہیں یہ سارے بیچتے ہیں اور بڑے بڑے مجتہد میں نے دیکھے ہیں۔ کہتے ہیں کیا کریں مجبوری ہے میں کہتا ہوں کنجرو تم نے پچاس ساٹھ لاکھ یہاں آ کر انوسٹ کیا یہ پچاس ساٹھ لاکھ پاکستان میں انوسٹ کرتے اس سے زیادہ کما لیتے اور خنزیر نہ بیچتے۔

لیکن اس کے باوجود اتنی محبت ہے کافر کی ہمارے دلوں میں اور کافر ملکوں کی کہ یہاں جس سے کہو کہ میں تمہیں امریکہ بھیج دیتا ہوں وہ ساری جائیداد دکان بیچ کر، سارے پیسے بیوی کا زیور بیچ کر بھی آپ کو لا دے گا کہ سب کچھ لے لو مجھے امریکہ پہنچا دو اسلام کا دشمن امریکہ نہیں ہے اسلام کا دشمن یہ پاکستانی مسلمان ہے۔ جو امریکی تہذیب پہ قربان ہے جو وہاں جا کر حرام کھانے پہ راضی ہے اور یہاں اسلام کو اپنا کر رہنے پہ مطمئن نہیں یہ دشمن ہے میں دشمن ہوں آپ دشمن ہیں۔ مجھے یہ بتائیے کہ کسی بندے کا ایک خاص لباس ایک خاص سٹائل ہو اور اس نے ہمارا باپ قتل کر دیا ہو ہم اسے قتل نہ کر سکیں کیا اس جیسا حلیہ بنانا ہم پسند کریں گے۔ میرے

خیال میں اگر رائی برابر کسی میں غیرت ہو گی تو وہ اس جیسا نظر آنا پسند نہیں کرے گا اس کی مخالفت کرے گا اسکے پیچھے جانا پسند نہیں کرے گا باپ تو ایک مادی وجود کے ظہور کا سبب بنتا اور نبیؐ اور دین انسانی روح کی حیات اور بقا کا سبب اور ذریعہ ہیں۔ تو جو ہمارے نبیؐ کا دشمن ہے ہمارے دین کا دشمن ہے اللہ کے قرآن کا دشمن ہے ہم اس جیسا بننا کیوں پسند کرتے ہیں اور اگر کرتے ہیں تو کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ ہم میں ایمان کی غیرت ختم ہو چکی ہے اور زندہ رہنے کے لئے غیرت کی ضرورت ہوتی ہے باقی وسائل غیور لوگ جمع کر لیتے ہیں دولت بھی ہو اختیارات بھی ہوں حکومت بھی ہو سلطنت بھی ہو غیرت نہ ہو تو بندہ کنجر کہلاتا ہے آج کل تو کنجر بھی سٹار ہو گئے نا۔ کہ آج جنہیں تم معاشرے میں بدکار یا برا یا کنجر سمجھتے تھے وہ بڑے قابل احترام ہیں۔

لیکن میرے بھائی مجھے یہ سمجھ نہیں آتی کہ مسلمانوں کو کیا ہو گیا ہے ہم ساری زندگی' ہر بندہ یہ چاہتا ہے کہ میرا بچہ انگریزی پڑھ جائے ٹھیک ہے اچھی بات ہے انگریزی بین الاقوامی زبان ہے پڑھے سائنس پڑھے ٹیکنالوجی پڑھے لیکن سب کچھ پڑھنے کے ساتھ کیا مسلمان بچے کو قرآن نہیں پڑھنا چاہئے کیا مسلمان بچے کو نبی کریمؐ کی حدیث نہیں پڑھنا چاہئے کیا مسلمان بچے کو اسلام کے بنیادی ارکان نماز روزہ نہیں سیکھنا چاہئے۔ کتنے PARENTS ہیں کتنے والدین ہیں جو تلاش کرتے ہیں اگر والدین اس تلاش میں ہوتے تو آج تک ملک کا سارا جو نظام تعلیم ہے یہ بدل نہ چکا ہوتا حکومتیں مجبور نہ ہو جاتیں کہ وہ دین کو قرآن کو حدیث کو نظام تعلیم کا حصہ بنائیں اگر حکومتیں مجبور نہیں ہیں تو صرف اس وجہ سے کہ عام آدمی کو اس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ تو میرے بھائی ہم یہ سمجھتے ہیں کہ میرے زندگی اپنی ہے اور میرا وجود اپنا ہے میں جس طرح کر رہا ہوں کسی کو مجھے کچھ کہنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ اللہ کو جواب دینے کو میں بھگت لوں گا۔ یہاں تک تو بات ٹھیک ہے۔ لیکن اگر آپ کسی قوم کا حصہ نہ ہوتے پھر تو یہ ٹھیک تھا ایک زندگی آپ کی اور میری ذاتی ہے ایک میری اور آپ کی قومی زندگی بھی ہے اپنا پیٹ بھرنے کے لئے جب ہم غیر صالح غذا یا بیمار کرنے والی غذا کھاتے ہیں تو اپنا وجود بیمار ہوتا ہے اسی طرح قومی کردار میں جب صالح عمل ہم کرتے ہیں تو پورا قومی وجود رسوا ہوتا ہے اس کا کسے حق حاصل ہے وہ تو کسی کا ذاتی نہیں ہے اگر ہمارے کردار کی وجہ سے پوری قوم تباہ ہو رہی ہے۔ تو کیا ہمیں کسی غیرت کا مظاہرہ کرنا نہیں چاہئے۔

ایک چھوٹی سی بات ہے ہم کہتے ہیں ہم نے شیو کر لی کیا فرق پڑا کوئی فرق نہیں پڑا داڑھی نہ بھی ہو تو بندہ مسلمان تو رہتا ہے اور ضروری نہیں کہ داڑھی رکھی ہوئی ہو تو وہ مسلمان ہے جس کی داڑھی نہیں وہ بھی مسلمان ہے لیکن ایک فرق ہے تھوڑا سا۔ نبی اکرمؐ پر بہت سخت وقت آئے بہت سخت آزمائشیں آئیں۔ بہت بڑی مصیبتیں آئیں۔ خود حضورؐ فرماتے ہیں کہ کسی نبی اور رسول پر اتنی مصیبتیں نہیں آئیں جتنی میں نے جھیلی ہیں اور بڑی بڑی سخت' ایک مصیبت جو آئی وہ بہت ہی سخت تھی۔ آپؐ کا نامہ مبارک جب خسرو پرویز کے پاس پہنچا۔ خسرو پرویز وہ واحد حکمران ہے جس نے حضورؐ کے والا نامے کو پڑھ کر پھاڑا اس پر تھوکا اور نیچے پھینک کر ٹکڑے پاؤں سے مسلے اور آپؐ کے قاصد سے کہا کہ قاصد قتل نہیں کیے جاتے ورنہ میں تیرا سر شہر پناہ پہ لٹکوا دیتا اور جا کر اپنے نبیؐ سے یہ کہہ دے کہ اس کے خط کا جو حشر ہوا ہے اور اس کے پیچھے میں اس کا انتظام بھی کر رہا ہوں۔ آج حال یہ ہے مسلمان کے ہاں جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس کا نام ہی یہ پرویز رکھتا ہے۔ میری سمجھ میں

یہ مسلمان قوم انگریز کی وجہ سے رسوا نہیں ہے یہودی کی وجہ سے رسوا نہیں ہے کافر اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ۔ اس لئے کہ سارے کافر موجود تھے اور سب مخالف تھے مگر اسلام بڑھتا گیا پھیلتا گیا کافر اسے نہیں روک سکے اب اگر اسلام تباہ ہو رہا ہے تو یہ ہمارے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں ہو رہا ہے اس کی دشمنی ہم کر رہے ہیں ۔

نہیں آتا کہ ہم کس کو الٹی کے کس کیٹیگری کے' کس طرح کے مسلمان ہیں اگر مسلمان اپنے بیٹے کا نام شیطان اور ابلیس رکھے تو وہ پرویز سے کم برا ہے میرے نظر میں وہ ابلیس نام بھی پرویز سے کم برا ہے فرعون بھی پرویز سے کم برا ہے فرعون نے موسیٰؑ کی مخالفت کی تھی اور پرویز نے محمدؐ کی نہ صرف توہین کی تھی آپؐ کے قتل کا حکم بھی دیا تھا۔ اور نبی اکرمؐ نے بد دعا فرمائی تھی جب آپؐ کے پاس قاصد واپس آیا اور اس نے خط کا قصہ بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا **اللھم مزق ملکہ کل ممزق**۔ کہ اس نے جس طرح میرے چھٹی کے ٹکڑے کیے ہیں بارالہا اس کے ملک کے اسی طرح ٹکڑے کر دے اس نے صرف چھٹی کے ٹکڑے نہیں کیے اس نے اپنے گورنر کو فیروز دیلمی " (بعض دیلمی لکھتے ہیں اکثر دیلمی لکھتے ہیں د ی ل اور م اور چھوٹی ی۔ دیلم یا دیلم ایک قبیلہ تھا اس کے فرد تھے اور گورنر تھے یمن میں خسرو پرویز کی طرف سے جو صحرائے عرب کے نزدیک تر تھے) کہ اپنے گارڈز بھیجو اور اس بندے کو گرفتار کر کے میرے پاس یہاں میرے دربار میں حاضر کرو اس نے اپنی گارڈ بھیجی طاقتور اچھے سپاہی بھیجے اور ساتھ یہ کہلا بھیجا

فیروز دیلمیؓ نے یہ پیغام بھیجا کہ جاؤ اور جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور خط لکھا ہے کہ خسرو پرویز کو' اس سے ملو اور اسے کہو کہ اگر وہ اپنے آپ کو رضامندی سے تمہارے حوالے کر دے اور تم اسے میرے پاس لے آؤ تو میں خسرو پرویز کو یہ سفارش کرونگا کہ اس کی جان بخشی کی جائے اسے قتل نہ کیا جائے لیکن قید تو شاید اسے ساری عمر رہنا پڑے اور اگر اس نے خود کو تمہارے سپرد نہ کیا تو پھر وہ خسرو پرویز کی فوجوں سے اور لشکروں سے واقف ہے پھر سارے عرب میں کسی کو زندہ رہنے کی فرصت نہ دے۔ خسرو پرویز نے اگر چڑھائی کی تو پھر کوئی عرب بھی زندہ نہیں بچے گا اور یہ معمولی بات نہیں تھی۔ وہ جب مدینہ منورہ آئے حضورؐ کو اطلاع دی گئی جو بات میں بتانا چاہتا ہوں وہ بڑی سادہ اورSIMPLE سی یہ ہے کہ وہ جو گارڈ حضرت فیروز دیلمیؓ نے جو بعد میں مسلمان ہو گئے اور اسی واقعہ پر وہ مسلمان ہوئے تھے بھیجی اس کا کمانڈر جو تھا اس کی بڑی بڑی مونچھیں تھیں اور داڑھی استرے سے مونڈی ہوئی تھی اس نے آکر حضورؐ کو جب پیغام دیا یہ پیغام کسی بھی شخص کے لئے لرزاں دینے والا تھا دنیا کی بہت بڑی سپرپاورز تھی خسرو پرویز اور ایرانین ایمپایر آپؐ نے اس کی طرف دیکھا ایک نگاہ دیکھا پھر جتنی دیر حضورؐ بات کرتے رہے اس کی طرف دیکھا نہیں ہے کہ اس کی داڑھی مونڈی ہوئی تھی بڑی بڑی مونچھیں ہیں اور داڑھی مونڈی ہوئی ہے زندگی اور موت اسلام کی بقایا اس کا خاتمہ مسلمانوں کا بچنا یا رہنا خسرو پرویز مرے گا یا مسلمان مریں گے یہ ہوتا رہے گا لیکن حضورؐ نے دوسری دفعہ اس کی طرف دیکھنا گوارا نہیں فرمایا۔ تو بظاہر تو یہ معمولی سی بات ہے لیکن جب نبی کریمؐ مونڈے ہوئے چہرے کو دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے خواہ وہ خسرو پرویز کا فرستادہ ہو اور آپؐ کی زندگی اور موت کا سوال کر رہا ہو۔ تو پھر یہ معمولی بات تو شاید ہمارے لئے زیادہ

نقصان وہ بن جائے گی جب کبھی ہمیں حاضری ہوئی میدان حشر میں سہی، ایک نہ ایک دن تو جانا ہو گا وہاں سامنے، تو اگر حضورؐ نے دیکھنا بھی پسند نہ کیا تو بات کیا بنے گی وہ واقعہ ضمناً" آگیا میں اس کا نتیجہ آپ کو بتاتا چلوں۔ انہوں نے ساری بات حضورؐ کو کہی تو حضورؐ نے فرمایا چونکہ اس کا انداز یہ تھا۔ امونی ربی وہ بادشاہ کو رب کہتے تھے میرے رب نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ آپؐ خود کو گرفتاری کے لئے پیش کریں تو حضورؐ نے فرمایا رات ٹھہرو آرام کرو تم نے اپنے رب کا پیغام دے دیا جو میرا رب مجھے کہے گا وہ میں تمہیں بتا دوں گا علی الصبح جب وہ اٹھ کر آئے۔ تو حضورؐ نے فرمایا تمہارا بادشاہ مرچکا اس کا حکم مرگیا اور اسے اس کے بیٹے شیرویا نے رات سوتے میں قتل کر دیا ہے اب تم جاؤ اور نئے بادشاہ کا نیا حکم ہو گا پھر آنا۔ مجھے میرے رب نے اطلاع دی ہے۔

انہوں نے کہا آپؐ بہت بڑی بات کہہ رہے ہیں آپؐ نے فرمایا تم جاؤ۔ جا کر تحقیق کر لو انہوں نے وقت اور تاریخ لکھ لی جا کر حضرت فیروزؓ کو اطلاع دی انہوں نے قاصد بھیجا اسے راستے میں شیرویا کا قاصد مل گیا جو آ رہا تھا اس نے رات خسرو پرویز کو قتل کر دیا اپنے سگے باپ کو اور اقتدار حکومت چھین لیا۔ سب سے پہلا حکم جو جاری کیا اس نے کہا میرے باپ کا وہ حکم منسوخ سمجھا جائے جو اس نے عرب نبیؐ کی گرفتاری کے لئے دیا تھا اور جب وہ قاصد حضرت فیروز دیلمیؓ کے پاس پہنچا تو انہوں نے **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم** پڑھ لیا انہوں نے کہا پھر ہم کافروں کی بات کیوں مانیں اسکی بات کیوں نہ مانیں جو اللہ کا رسولؐ ہے اور یہ تو تھا وہ نتیجہ خسرو پرویز کا یا اس کا۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ جن باتوں کو ہم کوئی اہمیت نہیں دیتے دراصل وہ کتنی اہم باتیں ہیں گناہ کے معاملے میں علمائے حق نے فہرستیں بنائیں یہ گناہ کبیرہ ہے یہ صغیرہ ہے یہ چھوٹا ہے یہ بڑا ہے لیکن تیمیتا" آخر جو بات کرتے ہیں وہ بڑی عجیب ہے وہ کہتے ہیں دیکھو گناہ کبھی چھوٹا نہیں ہوتا اس لئے بہت بڑی ذات کی نافرمانی کا نام ہی گناہ ہے یعنی آپ اس انداز سے نہ دیکھتے رہیں کہ میں نے بہت بڑی نافرمانی کی ہے اس انداز سے دیکھیں کہ بہت بڑی بارگاہ کی نافرمانی کی ہے تو پھر ہر چھوٹا گناہ بھی بڑا بن جاتا ہے۔ تو یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ جب ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہودی ہمارا دشمن ہے نصرانی ہمارا دشمن ہے یہ حرام کھانے والی قومیں ہمیں تباہ کر رہی ہیں یہ ہمارے دین کی دشمن ہیں ہمارے نبیؐ کی دشمن ہیں ہمارے قرآن کی دشمن ہیں ہمارے اسلام کی دشمن ہیں ہماری غیرت کی دشمن ہیں تو پھر ہم ان جیسا بننا پسند کیوں کرتے ہیں یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی آپ اپنا کوئی ایم۔ پی۔ اے دیکھ لیں۔ اپنا کوئی ایم۔ این۔ اے۔ دیکھ لیں اپنا کوئی گورنر دیکھ لیں اپنا کوئی وزیر دیکھ لیں صاحب ہی صاحب نظر آتے ہیں جہاں جاؤ کسی شعبے میں کوئی سیکریٹری ہے کوئی ڈپٹی کمشنر ہے کوئی پولیس کا افسر ہے کوئی ریو نیو کا آفیسر ہے آپ کہیں چلے جائیں کوئی ڈاک و تار کا ہے کوئی ڈاکخانے کا ہے جہاں جائیں جناب گلے میں پٹہ پڑا ہوا ہے اور انگریزی لباس چوٹی سے ایڑی تک۔ نماز قضا ہو سکتی ہے لیکن انگریز کے فیشن میں سے کوئی رکن کم نہیں ہو سکتا اگر ہمارا یہ انداز رہے گا تو قوم رسوا نہیں ہو گی؟ اسے کون سی عزت ملے گی۔ یہ مسلمان قوم انگریز کی وجہ سے رسوا نہیں ہے یہودی کی وجہ سے رسوا نہیں ہے کافر اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اس لئے کہ سارے کافر موجود تھے اور سارے کافر مخالف تھے اور اسلام بڑھتا گیا پھیلتا گیا کافر اسے نہیں روک سکے۔ اب اگر اسلام تباہ ہو رہا ہے تو یہ ہمارے ہاتھوں اور مسلمانوں کے ہاتھوں ہو رہا ہے اس کی دشمنی ہم کر

رہے ہیں۔ ہم جو حرام کھاتے ہیں جو کافروں کی طرح رہتے ہیں جو جھوٹ بولتے ہیں اور جو بد کاری کو اختیار کیے ہوئے ہیں اور نام سے ہم مسلمان ہیں ہماری وفائیں کافروں کے ساتھ ہیں آج بھی ہمیں کوئی کسی کافر ملک میں لے جائے تو ہم سب کچھ بیچ کر جانے کو تیار بیٹھے ہیں۔ میں نے ایسا نہیں دیکھا کہ جو ان ملکوں پر لات مار کر یہاں آنا چاہتا ہو۔ یا کوئی ایسا مل جائے۔

میں بریڈ فورڈ میں تھا ایک بنگال کے بزرگ مسجد میں انہوں نے میری تقریر سنی دوسرے دن وہ مجھے مارکیٹ میں مل گئے وہ بڑی خوبصورت بنی ہوتی ہیں مارکیٹ کئی کئی منزلہ اس میں فوارے لگے ہوئے بیٹھنے کی جگہ ایئرکنڈیشن فلی بے شمار چیزیں تو کچھ لوگ بیٹھ کر انجائے بھی کرتے رہتے ہیں وہ وہاں بیٹھا انجائے کررہا تھا تو وہاں ایک تصور یہ بھی ہے کہ ساٹھ سال سے اوپر جو بندہ ہو جائے اس کے لئے خاص رعائتیں ہیں بس کا کرایہ رعایتی ہوتا ہے ہوٹل کا خرچہ رعایتی ہوتا ہے دوکاندار اسے چیزیں خریدنے میں رعایت دیتا ہے (SENIORCITIZEN) بزرگ شہری۔ تو وہ سینئر سیٹرن زیادہ انجائے کرتے ہیں۔

فارغ ہوتے ہیں دن کو جا کر ان سیٹوں پر بیٹھ گیا آنے جانے والوں کا تماشہ دیکھتے رہتے ہیں وہاں بیٹھا تھا مجھے کہنے لگا کہ آپ کتنا ٹھہریں گے میں نے کہا یار میں تو دو دن اور ٹھہروں گا کہنے لگا آپ ایسا کریں آپ کے لئے ہم انتظام کرتے ہیں آپ یہیں رہ جائیں میں نے کہا مولانا آپ نے مجھے نہیں پہچانا میں تو اتنا فارغ بندہ نہیں ہوں اور یہاں رہنا تو اس دنیا میں کون اتنا حوصلہ کرے کہ وہ اپنی پسند سے جہنم میں رہ جائے یہ تو آپ کے حوصلے ہیں کہنے لگا پھر آپ دو سال رہیئے، سال رہیئے چھ مہینے رہیئے دو مہینے رہ جایئے ایک مہینہ رہ جایئے۔

میں نے کہا حضرت میری واپسی دو دن بعد ہے اور واپس جا رہا ہوں کہنے لگا پہلی دفعہ کوئی ایسا پاگل آدمی دیکھا ہے جو برطانیہ سے واپس جا رہا ہے اور کہتا ہے میں یہاں زیادہ دن نہیں بڑھاتا۔

یعنی ایک تصور پیدا ہو گیا ہے ہم میں کہ ان کافروں میں اور اس کافر سوسائٹی میں رہنا ہی ہماری منزل حیات بن گئی اور ہمیں عجیب لگتا ہے۔ تو میرے بھائی میری اس ساری آج کی پون گھنٹے کی گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ اسلام یہ ہے کہ ہم اپنے کام میں نبی پاکؐ کی نقل اپنائیں۔ وہ خواہ لباس میں ہو وہ خواہ چلنے میں ہو وہ کاروبار میں ہو وہ لین دین میں ہو وہ ملاقات میں ہو وہ مرنے کی رسومات ہوں یا بیاہ شادی کی رسومات ہوں ہر چیز پر جب تک حضورؐ کی چھاپ نہیں لگے گی تب تک ہم اسلام سے دشمنی کر رہے ہیں۔ کافر نہیں کر رہا اور یہ جرم اتنا بڑا ہے اپنے اللہ سے پناہ چاہنی چاہئے جو ہو چکا اس پر اللہ کریم ہے معاف فرمائے گا خدا کے لئے اپنی زندگیوں کو اپنے کردار کو اپنی سوچوں کو اور اپنے عقائد کو درست کریں۔

نئی کوٹھی برائے فروخت

مالک کی اپنی بنی ہوئی رقبہ ایک کنال کارنر پلاٹ نمبر ۱۵۳ او بیسمہ سوسائٹی کالج روڈ کورڈ ایریا ۵۴۰۰ مربع فٹ دو لاونج، دو کچن، ماربل فلورز، دیار کا کام، بہترین فنش، سوئی گیس کنکشن چالو۔ مناسب قیمت مالک باہر جارہا ہے۔

رابطہ محمد مقبول فون نمبر ۵۷۶۰۶۴۶ / ۸۷۱۳۶۷

بنیاد پرستی: طعنہ یا تمغہ؟

گذشتہ چند برسوں سے مغربی ذرائع ابلاغ ان گروہوں یا افراد کو جو اسلام کو ایک مکمل، جامع اور تا قیامت قائم رہنے والے نظام حیات کے طور پر ماننے اور دل سے تسلیم کرتے ہیں، ایک خاص اصطلاح سے یاد کر رہے ہیں اور وہ ہے "فنڈامنٹلسٹ" جسے ہمارے اخبارات و جرائد بنیاد پرست لکھ رہے ہیں۔ اسے مغرب تو کم از کم ہمارے حق میں ایک گالی سمجھتا ہے لیکن ہمارے نام نہاد روشن خیال دانشور اسے اپنے اوپر ایک الزام قرار دیتے ہیں اور اس کی تردید میں قولاً" اور عملاً" یہ واضح کرتے ہیں کہ "جی توبہ توبہ ہم تو بنیاد پرست نہیں ہیں"۔ مغرب راسخ الاعتقاد مسلمانوں کو "بنیاد پرست" کہہ کر یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ یہ لوگ (مسلمان) ذہنی طور پر دور قدیم کے رہنے والے، تاریک خیال، سائنس دشمن، علم و دانش سے خالی، ترقی کے مخالف، قدامت پسند، روایت پرست، جنگجو، دہشت گرد اور شدت پسند ہیں۔ جنہیں دور حاضر کے نت نئے بدلتے حالات کا علم اور تہہ در تہہ معاملات کا شعور حاصل نہیں۔

جب ایران میں شاہ کے خلاف تحریک زوروں پر تھی، لیبیا سر ابھار رہا تھا اور فلسطین کے تحریک مزاحمت نئی کروٹ لے رہی تھی تو امریکی اور مغربی ذرائع ابلاغ مسلمانوں کے لئے MILITANT (جنگجو) کی اصطلاح استعمال کرتے تھے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی قوم غلامی یا دوسروں کے مظالم کے خلاف یا اپنے حق آزادی کے لئے اٹھ کھڑی ہو، کوئی کمزور ملک اگر سپر طاقت کے مقابلے میں سر اٹھاتا دکھائی دے اور لوگ اپنی سرزمین پر ناجائز قبضے کے خلاف بغاوت کریں تو وہ فوراً" جنگجو بن جاتے ہیں۔ اگر اصطلاحات کے استعمال کا یہ عالم رہا تو نجانے جمہوریت، حق خودارادیت اور آزادی و استقلال کے کیا معنی رہ جائیں گے؟ یعنی لوگ اگر اپنے اوپر غلامی کو مسلط کئے رکھیں یا کم از کم برداشت کئے رکھیں، اپنے حق خودارادی سے دستبردار ہو جائیں، غیروں کے دست نگر بنے رہیں ایک یا دو بڑی طاقتوں کے حاشیہ بردار رہیں، اپنی آزادی اور استقلال سے ناآشنا ہیں اور ہمیشہ سیاسی اور اقتصادی غلامی کا جوا اپنے گلے میں ڈالے رکھیں تو وہ روشن خیال، ترقی پسند اور ماڈرن کہلانے کے مستحق ہیں۔ اگر وہ اپنے حقوق سے دستبرداری اور اپنی آزادی و خود مختاری سے دست کشی کا اعلان نہ کریں تو وہ فوراً" "جنگجو اور بنیاد پرست" بن جاتے ہیں۔ گویا دوسرے لفظوں میں غیر ملکی بالادستی کو قبول کئے رکھنا اور فرنگی تہذیب و معاشرت کا غلام بنے رہنا "روشن خیالی

اور اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ اور رسول مقبولؐ کے ساتھ وفاداری اور اطاعت کا اظہار کرنا' شعائر اسلامی کا اختیار کرنا ور اسلام کو رہنمائی کا سرچشمہ قرار دینا اپنے عزیزو اقارب' ساتھیوں' افسر اور ماتحتوں کو بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے احکامات اور ارشادات کی روشنی میں زندگی بسر کرنے کی طرف متوجہ کرانا "بنیاد پرستی" ہے۔

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کا ایک طبقہ اور ان کے بعض رہنما تہذیبی اور ذہنی طور پر مغرب سے اس قدر مرعوب ہیں کہ ہماری زندگی کا بیشتر حصہ صرف اس تگ و دو میں صرف ہو جاتا ہے کہ ہم عملی و اخلاقی طور پر اس طرح نظر آئیں جیسا کہ مغرب چاہتا ہے اور ایسا نظر آنے کے لئے اپنی شکل و صورت' لباس اٹھنے بیٹھنے اور کردار و اخلاق سے لے کر اسلام تک کا حلیہ بگاڑنے پر آمادہ و مستعد رہتے ہیں۔ جسے وہ اسلام کہیں ویسا اسلام پیش کرنے میں لگ جاتے ہیں۔ جیسے وہ آداب زندگی بتائیں ہم فوراً انہیں اختیار کر لیتے ہیں' جس طرح کی وہ تہذیب پسند کریں ہم اس طرح بننے میں اپنی توانائیاں صرف کر دیتے ہیں' جو مسلمانی ان کو درکار ہے ہم ویسے مسلمان بن جاتے ہیں' حالانکہ اسلام اور مسلمانی میں مغرب کی رضا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے آخری رسول مقبولؐ کی رضا مطلوب ہوتی ہے۔ تب جا کر کوئی شخص مسلمان بنتا ہے۔ تہذیب وہ نہیں جو مغرب سکھاتا ہے بلکہ ہمارا معیار تہذیب اسوہ رسولؐ ہونا چاہئے کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے نام کی نسبت سے ہمارا ملی تشخص قائم ہے۔ ورنہ رنگ' نسل' علاقہ اور زبان کسی کو مسلمان یا کافر نہیں بناتے' اس اعتبار سے انسانیت میں کوئی جوہری فرق واقع نہیں ہوتا کیوں کہ سبھی اولاد آدم ہیں۔

۱۹۷۰ کے عشرے میں اسلامی دنیا بالخصوص پاکستان کے اندر "دایاں بازو"۔ کی اصطلاح کا خوب چرچا رہا ہے مغرب کی نظر میں "دایاں بازو" کا معنی تاریک خیال' تنگ ذہن اور بایاں بازو کا مطلب روشن خیال اور ترقی پسند قرار دیا گیا۔ مسلم دنیا کے لیڈر بڑی تیزی اور بے چینی میں نظر آتے تھے کہ وہ خود کو ہر جگہ "بایاں بازو" ثابت کریں۔ حالانکہ قرآن مجید میں واضح طور پر "اصحاب الیمین (اہل الشمال) اہل جہنم قرار دیئے گئے ہیں۔ قرآن مجید کی روشنی میں دایاں بازو اور بایاں بازو کا مفہوم بالکل صاف تھا اور ہمیں بڑے فخر کے ساتھ خود کو دایاں بازو کہلانا چاہئے تھا لیکن برا ہو مرعوب ذہنیت اور غلام سوچ کا' جس نے ہماری آنکھیں چندھیا رکھی ہیں۔ ہم نے فوراً یورپ کے بیان کردہ مفہوم کو قرآن مجید کے واضح کردہ مفہوم پر ترجیح دے دی اور دایاں بازو کہلانے میں شرماتے اور جھجکتے رہے۔ مسلمان لیڈر شپ کو فکر لاحق ہوگئی کہ قرآن مجید کس گروہ کو "اصحاب الشمال" (بایاں بازو) قرار دیتا ہے؟ اس کی پروا نہیں کرنی چاہئے' بلکہ مغرب کے نزدیک "بایاں بازو کا جو مفہوم ہے اس کے مطابق روشن خیال اور لبرل بننا ہے۔ اگر ہم نے دیر کر دی تو کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم اہل مغرب کے لغت میں تاریک خیال اور قدامت پسند ٹھہرا دیئے جائیں۔ یہی وہ احساس کمتری ہے جو ہمیں اللہ تعالیٰ اور اس کے آخری رسولؐ سے بھی دور لے گیا ہے اور وصال صنم سے بھی ابھی تک محروم چلے آرہے ہیں۔ مسلمان بننے کی ہم نے خاص جدو جہد تو نہیں کی' لیکن یورپ نے بھی ابھی تک ہمیں صحیح معنوں میں ماڈرن' لبرل' پروگریسو اور لیفٹسٹ کا سرٹیفکیٹ عطا نہیں کیا اور اس طرح ہم درمیان میں معلق ہو کر رہ گئے ہیں۔ اگر ہم مسلمان بننے کی کوشش کرتے تو اللہ تعالیٰ اور رسول مقبولؐ اس عرصے میں ہمیں یقیناً" مومن خالص" کا لقب اور اس کا انعام عطا فرما چکے ہوتے۔

یہاں ایک اور غلط فہمی کا ازالہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ بعض دانشور کہتے ہیں کہ آخر ان اصطلاحات میں کیا رکھا ہے؟ اگر ہم خود کو دایاں بازو یا بنیاد پرست نہ کہلائیں اور یورپ کی مرضی کے مطابق ان "تہمتوں" سے بری الذمہ ہونے کا اظہار کر دیں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ ہمارے خیال میں یہ نرم سے نرم الفاظ میں خود فریبی یا کم از کم سادہ لوحی ہے۔ ہم پس منظر سے صرف نظر کر رہے ہیں۔ بات صرف الفاظ اور اصطلاحات کی نہیں، ہر لفظ کا ایک مخصوص مفہوم ہوتا ہے۔ الفاظ اور اصطلاحات باقاعدہ علامات کا درجہ رکھتی ہیں اور یہی علامات کسی سوسائٹی یا فرد کے بارے رائے قائم کرنے کا ذریعہ ہیں۔ لفظوں کا فقط لغوی معنی اور صطلاحات کا فقط سطحی مفہوم نہیں ہوتا۔ اگر ایسا ہو تو پھر سارے تشخصات ختم ہو کر رہ جائیں گے۔ نہ دعا کا مفہوم باقی رہے گا اور نہ گالی کا کوئی مطلب! کیوں کہ دونوں چیزیں حروف تہجی سے ہی بنتی ہیں تو کوئی دعا دے دے یا گالی، اس سے کیا فرق پڑ جائے گا؟ اصطلاحات کی اپنی قدرو قیمت ہوتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو مغرب کو کیوں ہر چوتھے دن مسلمانوں کے لئے ایک نئی اصطلاح گھڑ کر پھیلانے کا کاروبار کرنا پڑتا۔

مسجد کا ایک اپنا ڈیزائن ہوتا ہے اور گرجا اور مندر کا اپنا نقشہ، حالانکہ سبھی اینٹ پتھر سے بنے ہوتے ہیں، لیکن ہر شخص مخصوص ڈیزائن سے پہچان کر لے گا کہ ان میں مسجد کون سی ہے اور گرجا گھر اور مندر کون سا؟ کونسی جگہ مسلمانوں کی عبادت گاہ ہے اور کونسی عیسائیوں اور ہندوؤں کی، اگر ہم ان علامات اور تشخصات، اسماء اور اصطلاحات کے بارے یہ رویہ اپنا لیں کہ ان سے کیا فرق پڑتا ہے تو ہر بات پہیلی بن جائے گی۔ پھر نہ کوئی مسلمان رہے گا اور نہ کوئی کافر۔ سوشلزم یا کمیونزم اور اسی طرح ڈیماکریسی یہ بظاہر اصطلاحات ہیں۔ ان کے لغوی معنی لئے جائیں تو ان اصطلاحات میں کیا خوبی ہے؟ لیکن یہ محض الفاظ نہیں اور فقط اصطلاحات نہیں بلکہ ان کی پشت پر باقاعدہ ایک فلسفہ اور ایک نظام کار فرما ہے جو انہیں آپس میں جدا اور منفرد کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض نام بعض قوموں کے ساتھ مختص ہو کر رہ گئے ہیں اور بعض علامات بعض تہذیبوں کی شناخت بن کر رہ گئے ہیں۔ مثلاً ہندی میں "کرپارام" جو ایک نام ہے اس کا ٹھیک مترادف عربی میں "عطا اللہ" ہے، لیکن کوئی مسلمان اپنا نام کرپارام نہیں رکھتا۔ آخر کیوں، جب کہ معنی اور مفہوم میں بال برابر فرق نہیں، صرف دو زبانوں کے اپنے لب و لہجے اور ساخت کا فرق ہے. یہ اس لئے ممکن نہیں کہ انسانی دنیا میں جب لفظ، اصطلاح، القاب خطابات وغیرہ وارد ہوتے ہیں تو وہ فقط بے جان الفاظ و حروف نہیں رہ جاتے بلکہ ان کے ساتھ کچھ جذبات، اور دوسرے تشخصات وابستہ ہو جاتے ہیں۔ اگر ان میں سادہ لوحی سے ذرا بھی ادل بدل کیا جائے تو سارے کے سارے جذبات اور تشخصات مجروح اور مسخ ہو کر رہ جاتے ہیں اور کسی بھی سوسائٹی کو اس کی بھاری قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔ اگر اصطلاح کو بہت ہلکا پھلکا اور لفظی گورکھ دھندا سمجھنے کا رجحان پیدا ہو جائے تو پورا انسانی نظام تالپٹ ہو کر رہ جائے۔ سو ہمیں ہر اس اصطلاح کو اپنے سینے سے لگانا چاہئے جو خواہ مغرب کی نظر میں کتنی معیوب اور معتوب کیوں نہ ہو لیکن فی الواقع وہ محمود اور مستحسن ہو جیسا کہ "بنیاد پرست" یہ اصطلاح کیوں محمود اور مستحسن ہے؟ ایک وجہ تو یہ ہے کہ مغرب نے اسے ہمارے ساتھ چپکا دیا ہے۔ ظاہر ہے اس میں کوئی خوبی ہے جسے وہ بگاڑ کر ہمارے نام کا لاحقہ سابقہ بنا رہا ہے۔ فکر اور طرز زندگی کا قبلہ احکام الٰہی اور سوچ و عمل کا کعبہ سنت رسول مقبولؐ ہے، جو شعائر اسلامی کے پابند

آج مغرب ہمیں "بنیاد پرست" کہتا ہے اور ہم فوراً کانوں کو ہاتھ لگا کر توبہ توبہ کرتے ہیں کہ نہیں جی ہم بنیاد پرست نہیں ہیں تو اس امر کی کیا ضمانت ہے کہ کل کو یہی مغرب ہمیں "کلمہ گو" کہہ کر چھیڑنا شروع کر دے تو کیا ہم فوراً وضاحتوں پر اتر آئیں اور اپنی صفائی دینا شروع کر دیں کہ نہیں جی ہم تو "کلمہ گو" نہیں ہیں یہ سلسلہ کہیں رکتا نظر نہیں آتا تو کیوں نہ آئے دن کی چخ چخ کا مقابلہ کرنے کے لئے علی الاعلان کہہ کر "ہاں ہم بنیاد پرست ہیں"

اور اسلام کی منع کردہ باتوں سے دور رہنے والے ہیں' جو سرمایہ داری اور اشتراکیت پر تین حرف بھیجتے اور اسلام کو مکمل ضابطہ حیات سمجھتے ہیں۔

مغرب ان (نام نہاد) مسلمانوں کو قطعاً "بنیاد پرست" نہیں کہتا اور سمجھتا جو آئے روز اسلام میں کسی نہ کسی نظام کی پیوند کاری کرتے رہتے ہیں۔ جن کی بو دو باش میں اسلام کی جھلک تک دکھائی نہیں دیتی' جن کے ذہن اور فکر پر سوائے اسلام کے ہر چیز کا غلبہ ہے۔

دوسری وجہ اس اصطلاح کو ڈنکے کی چوٹ اختیار کرنے کی یہ ہے کہ دنیا کا کوئی دین اور نظام بنیاد کے بغیر فروع پر قائم نہیں' اساسیات (بنیادیں) ہی دین اور نظام کی اصل ہوتی ہیں۔ فروعات تو اس کے برگ و ثمر ہوتے ہیں۔ اس اعتبار سے مسلمان "بنیاد پرست ہیں کہ ہم اسلام کے اساسی عقائد کو مان کر مسلمان بنے ہیں۔ توحید' رسالت' وحی' آخرت وغیرہ ہماری بنیادیں ہیں۔ جن پر ہم اپنا نظام حیات استوار کرنا چاہتے ہیں اور اس پر ہمیں فخر ہے کہ ہمارا نظریہ حیات اس کائنات کے خالق و مالک اور اس کے آخری رسول مقبولؐ کا حمایت یافتہ ہے۔ اس کے اساسی اصول ایک ایسی کتاب (قرآن مجید) میں درج ہیں جس کی صحت اور تاریخی حیثیت کو چودہ سو سال میں دنیا کا کوئی فکر چیلنج نہیں کر سکا ہمارے لئے نظام کا ماڈل وہ عہد حکومت ہے جسے اس زمین کے انتہائی برگزیدہ اور راستباز انسانوں نے قائم کیا۔ ان معنوں میں ہم بنیاد پرست ہیں اور یہ کوئی ایسا لقب نہیں جو ہم اپنے لئے پسند نہ کریں۔

جو لوگ روشن خیالی اور وسعت نظری کی آڑ میں بنیاد پرست کہلانے سے ڈرتے یا دوڑتے ہیں' غالباً ان کے خیال میں اپنا راستہ کھلا رکھنا ہے کہ وہ جب چاہیں اسلام کے بجائے کسی اور نظام کو اپنا نظریہ حیات بنا لیں۔ سنت رسول مقبولؐ کے مقابلہ میں اپنی شریعت وضع کر لیں اور اطاعت خدا اور رسول مقبولؐ کی جگہ اپنے نفس اور خواہشات اور اشغال کو دین کا نام دے دیتے ہیں۔ یہ طبقہ ترک نماز' شراب نوشی' زراندوزی' تضحیک شعائر' آمریت اور عیش کوشی سب کے ہوتے ہوئے وہ خود کو مسلمان کہلانے پر اصرار کرتا ہے اور اپنا حق گردانتا ہے کہ کوئی فقیہہ اور ملا انہیں اسلام اور مسلم سوسائٹی سے جز جانے کو نہ کہے۔ دین کے معاملے میں ہماری پسپائی اور احساس کمتری کا رویہ اب ہمیں واقعی اس نقطے پر لے گیا ہے کہ کھلے عام اسلامی نظام حیات کو چیلنج کرنے والا' اسلامی سزاؤں کو نعوذ باللہ وحشیانہ قرار دینے والا' اور سلب و غصب کو جائز سمجھنے والا بھی ہماری نظر میں مسلمان رہتا ہے۔ اگر ہم "بنیاد پرست" ہوتے تو کوئی شخص لاکھ پردے کی اوٹ لیتا ہم اس کا چہرہ فوراً" پہچان جاتے کہ یہ ہم میں سے ہے' ہمارا خیر خواہ ہے یا استعمار کا ایجنٹ اور اللہ تعالیٰ اور رسول مقبولؐ کا باغی ہے۔

مسلمانوں خود کو لسی کی طرح پتلا کرتے کرتے اپنا ذائقہ اور رنگ تک گنوا بیٹھے ہیں اور کوئی ایک علامت ایسی نہیں رہنے دی جس سے "لیڈر شپ" کے آثار اور

نشانیاں واضح ہوتیں۔ مسلمانوں کے رہنما کھلم کھلا اسلام کے مزاج کے خلاف قومیت اور نسلیت پرست بھی ہیں اور مسلمان بھی۔ یہ سب اسی "روشن خیالی" کا کیا دھرا ہے۔ جو یورپ نے ہمیں عطا کی ہے کہ لفظ "تو لفظ" انسان اپنا اعتبار کھو بیٹھے ہیں۔ ہم اپنے اور پرائے، کھرے اور کھوٹے، سچے اور جھوٹے، دوست اور دشمن، محافظ اور لٹیرے اور خیر خواہ اور بد خواہ کے درمیان تمیز کرنے سے عاری ہوگئے ہیں اور ہر شخص "روشن خیالی" کے زور پر وہ سب کچھ بننے، کہلوانے اور حاصل کرنے کا حق محفوظ کئے بیٹھا ہے جو اصل میں کچھ بھی نہیں، صرف بندۂ حرص و ہوس ہے۔ تن پرور اور نفس پرست ہے، اصول دشمن اور انسانیت کش ہے۔

"بنیاد پرست" کہلانے میں آخر کیا حرج ہے، اگر اس سے مراد اور مطلوب ایک راسخ الاعتقاد اور قول سے لے کر عمل تک اسلام کا پابند مسلمان ہونا ہے اس اصطلاح سے بھاگنا یا بدکنا یہ باور کراتا ہے کہ گویا ہم اسلام کے حصار میں اس طرح رہیں کہ اس میں ہر طرف چور دروازے ہوں۔ جب اور جہاں سے چاہیں جھانک لیں اور چھلانگ بھی لگالیں اور پھر واپس آکر ویسے کے ویسے مسلمان بن جائیں۔ قرآن مجید نے یقیناً" ایسی ہی نفسیات رکھنے والے لوگوں کے متعلق ارشاد فرمایا ہے: (ترجمہ) دل پسند چیزوں کا اقرار اور مزاج کے خلاف چیزوں کا انکار۔

ایسا رویہ مغرب کی نظر میں معیوب ہو تو الگ بات ہے، اسلام اسے انتہائی پسندیدہ نظروں سے دیکھتا ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ جب میرا انکار و اقرار زبردستی اور خوف سے نہیں بلکہ اپنی خوشی اور مرضی سے ہے تو پھر کوئی اصول قبول کر لینے کے بعد اس سے ہیر پھیر اور انحراف اور گریز کا کیا مطلب؟ اگر ماننا ہے تو کھلے دل سے مانو اور حدود کا احترام کرو۔ اگر نہیں ماننا تو راستہ کھلا ہے، دنیا میں کوئی نہیں پوچھے گا، البتہ آخرت میں جواب دہی کا اہتمام کر لو اور اپنا جواز ڈھونڈ لو۔ لیکن ہماری نفسیات اس طرح بن چکی ہے کہ ہم مستقل طور پر آدھے اندر اور آدھے باہر، آدھے تیتر اور آدھے بٹیر رہنا چاہتے ہیں۔ اگر اسلام کا نام لے کر فائدہ پہنچتا ہے تو ہم مسلمان ہیں اور اگر ہمارے مفاد، مزاج اور اقتدار پر کوئی زد پڑتی ہے تو پھر بہانہ سازی اور فرار کی ہزار راہیں کھلی رکھنا چاہتے ہیں۔ اس سلسلے میں مولانا روم نے مثنوی میں ایک مثال کے ذریعے ایسی نفسیات کو واضح کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ ایک شخص اپنی کلائی پر شیر کی تصویر بنوانے کے لئے گیا جب جراح نے پہلی سوئی چبھوئی تو اسے تکلیف ہوئی اور کہنے لگا یہ کیا بن رہا ہے؟ جراح نے کہا کہ شیر کے کان بنا رہا ہوں تو اس نے کہا کان رہنے دو۔ کان کٹے شیر بھی ہوتے ہیں۔ جرح نے آنکھ بنانا چاہی تو اس نے کہا کہ ایک آنکھ رہنے دو، شیر کانا ہوتو کیا فرق پڑتا ہے۔ تیسری چبھن پر پوچھا اب کیا بن رہا ہے؟ جراح بولا شیر کے پاؤں بنا رہا ہوں۔ اس نے کہا ایک پاؤں رہنے دو لنگڑا شیر ہی بنا دو۔ الغرض ہر چبھن اور ٹیس پر وہ شیر کا ایک عضو ختم کرواتا گیا۔ بالآخر جراح نے کہا کہ ایسا شیر مجھ سے نہیں بن سکتا جس کی نہ آنکھ ہو نہ کان، نہ ٹانگ ہو نہ دم۔ اگر ایسے ہی شیر بنوانے کا شوق ہے تو کسی اور سے بنوا لو۔

اسی تمثیل کے مطابق "روشن خیال" مسلمان دائرہ اسلام میں اس طرح رہنا چاہتا ہے کہ نماز نہ پڑھی تو کیا ہم مسلمان نہیں رہیں گے؟ شراب، جوا، ڈانس، بے حجابی ایسے مشاغل اختیار کر لئے تو کیا ہم دائرہ اسلام سے خارج ہو جائیں گے؟ اگر تہذیب مغرب کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا تو اسلام پر کیا حرف آجائے گا؟ اگر سیاسی نظام مغرب سے، معاشی نظام یہودیت سے، قانونی نظام فرانس سے لے لیا تو اس سے کیا فرق پڑھتا ہے؟ قصہ

مختصر یہ کہ اسلام کے اصولوں سے لے کر اس کی ہر ہر شق سے پہلو تہی بھی ہم کرنا چاہتے ہیں۔ یہ رویہ سراسر منافقت پر مبنی ہے جسے ایمان و دانش کی بارگاہ میں قبول نہیں کیا جا سکتا۔

برصغیر میں انگریزی نظام تعلیم کے بانی لارڈ میکالے نے اپنے مقصد تعلیم اور طریقہ تعلیم کی وضاحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ اس کے ذریعے ہمیں "جسم مشرقی مگر روح مغربی"۔ درکار ہے یعنی یہ تعلیم حاصل کرنے والے بیشک نسلی مسلمان رہیں، نام ان کے مسلمانوں جیسے ہوں، لباس وہ اسلامی طرز کا پہنیں، شادی بیاہ، نکاح اور طلاق شرعی طریقہ سے کریں، مگر ان کی سوچ، فکر، دماغ اور دل مغرب کے رنگ میں رنگے ہوں تاکہ فکری بالادستی یورپ کی ہی برقرار رہے۔ اب لارڈ میکالے کو کون جا کر قبر میں بتائے کہ آپ کو تو ہم سے صرف روح مغربی درکار تھی اور جسم کے مشرقی ہونے پر آپ کو کوئی اعتراض نہ تھا مگر ہم اتنے آگے نکل گئے ہیں کہ روح تو مغرب کی ہے ہی، ہم نے اپنا قالب اور چولا بھی مغربی بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ رسم و رواج، بولی ٹھولی، گھر کا ماحول، آداب محفل، طور طریقے، لباس کی تراش خراش اور لب و لہجہ تک ہم نے فرنگی بنا ڈالا، فقط رنگ بدلنے کی کمی رہ گئی ہے اگر بس میں ہوتو یہ بھی کر ڈالیں۔

ہمارے ہاں ایک بڑے اور موثر طبقے کی (جو سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی اعتبار سے بالادست ہے) یہ ذہنیت کیوں بن گئی ہے کہ وہ یورپ کے اعزاز اور اس کے الزام کو الزام سمجھتا ہے؟ اس کی بنیادی وجہ وہ سطحیت پسندی، احساس کمتری، کم علمی، ہلکا پن، چھوٹا پن، اتھلا پن اور اعتماد کا فقدان ہے جو کسی فرد یا قوم میں مناسب تربیت کی کمی اور اپنی اصل اور جڑ سے تعلق میں نقص کے باعث پیدا ہو جاتا ہے۔ جس طرح کوئی درخت خواہ کتنا کمزور اور بے ڈول ہو مگر اس کی جڑ بہت گہری اور تنا مضبوط ہو تو معمولی ہوا تو کیا جھکڑ اور آندھیاں بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، اور اس کے مقابلے میں ایسا خوشنما تراشیدہ خراشیدہ درخت جس کی جڑیں زمین میں گہری نہ ہوں، معمولی ہوا کے جھونکے کی مار برداشت نہیں کر سکتا۔ اسی طرح وہ قومیں اور افراد جو محض فیشن، نمائش آرائش مصنوعی پن اور تکلفات کی دلدادہ اور عادی بن جائیں اور اپنی تہذیب، ثقافت، اپنے ورثے، اپنی تاریخ اور اپنے دینی رشتوں کو یکسر فراموش کر بیٹھیں، وہ پروپیگنڈے کی معمولی ضرب اور ترغیب کی برائے نام جھلک سے ہی اپنی روایات و خیالات کو قربان کر دیتی ہیں۔ ذہنی و روحانی امراض کا ایک لشکر ان کا گھیراؤ کر لیتا ہے۔ انہی بیماریوں میں سے ایک بیماری اعتماد کے فقدان کی بیماری ہے۔ جو قوم کو حوصلہ مند، بہادر، دلیر اور غیرت مند بنانے کے بجائے موم کی گڑیا بنا دیتی ہے جس کا ناک نقشہ ہر چوتھے روز بدلتا رہتا ہے۔ اعتماد ہی وہ جوہر ہے جو فرد اور قوم کو غیرت اور عزت نفس عطا کر دیتا ہے اور آداب غیرت آجائیں تو غلاموں میں بھی آزادی کی معمول کی تڑپ اور آزاد ہو جانے کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ مور اپنی ساری خوبصورتی کے باوجود اپنے پاؤں دیکھ کر شرما سا جاتا ہے۔ اس کا یہ رویہ اس کے اعتماد کو ہر روز مجروح کرتا ہے اسی طرح ہم مسلمانوں کی حالت ہے۔ شاندار ماضی، پر شکوہ تہذیب، قابل فخر روحانی ورثہ، رشک آمیز علمی پس منظر، دلیری اور بہادری کی بے مثال عسکری تاریخ، دنیاوی علوم میں آج تک دنیا کو راہ دکھانے اور گرانقدر دماغی اور فنی صلاحیتیں رکھنے کے باوجود ایک ذرا سا رنگ کا میلا ہونا یا انگریزی بولنے یا لکھنے میں کمزور ہونا ہمیں مور کی طرح احساس کمتری میں مبتلا کر دیتا ہے اور ہم شرمانے لگ جاتے ہیں۔ اگر آنکھوں میں بقول حکیم الامت علامہ

اقبالؒ خاک مدینہ و نجف کا سرمہ ہو تو جلوہ دانش فرنگ سے آنکھوں کے مرعوب، متاثر یا چندھیانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔

انسان کے ہر اقدام کا دارو مدار اس کی سوچ اور فکر کی بنیاد پر ہوتا ہے مثلاً" ایک مسلمان کا تانا بانا اسلام سے بنا ہوا ہے۔ اس کی وفا داری اور اطاعت کا مرکز اللہ تعالیٰ اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہوتی ہے۔ اس کے نزدیک فقط عالم دنیا ہی تمام امور و معاملات کا قیام کمال آخر نہیں بلکہ یہ سلسلہ آخرت تک چلتا ہے۔ مسلمان کے عقیدے کے مطابق خوشنودی محض انسان کی مطلوب نہیں بلکہ رضائے الٰہی ہر چیز پر مقدم ہے۔ اس کے ہاں کسی عمل کی تائید یا تردید قرآن و سنت سے مشروط ہے۔ اس طرح کی دوسری چیزیں جو ایک مسلمان کی فکری ساخت کو دوسرے لوگوں سے الگ منفرد یا ممتاز کرتی ہیں تو لامحالہ ایک مسلمان کا معیار، تہذیب، اصول خیر و شر، اچھائی اور برائی کے ضابطے اور عزت و ذلت کے پیمانے یقیناً" دوسروں سے مختلف ہوں گے۔ اگر ایسا ہوگا تو پھر کسی مسلمان کو برتر اور کم تر، بہتر اور بدتر، صحیح اور غلط اور انعام و الزام کے بارے میں فیصلہ کرنے یا کسی چیز کا انتخاب کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی۔ اگر سوچ کی سمت واضح نہ ہو، وفاداری کا مرکز طے نہ ہو، دنیا کے پیدا کرنے والے رب اور اہل دنیا کی خوشنودی میں فرق واضح نہ ہو تو مسلمان سے ایسے ہی لطیفے سرزد ہوتے ہیں جیسے کہ آج کل کے دور میں ہو رہے ہیں کہ ہمارے ہی بقول ہمارا ایمان تو اللہ تعالیٰ اور رسول مقبولؐ پر ہے لیکن نظام سیاست اور انداز معیشت و معاشرت یورپ کا رائج ہونا چاہئے۔ یہ تضاد اس لئے ہے کہ ہم اپنا رخ متعین نہیں کرپا رہے جس کے نتیجے میں ہمارا معیار تہذیب طے نہیں ہو رہا۔ اہم اور غیر اہم میں ترجیح قائم نہیں ہو رہی۔

اگر ہر بڑے اور چھوٹے امر میں اللہ تعالیٰ اور رسول کریمؐ کو اپنا حاکم اور حتمی فیصلہ کرنے والی ذات مان لیں اور اپنے دین اور اپنی تہذیب کو اپنی روحانی اور فکری و عملی توانائی کا سرچشمہ قرار دینے لیں تو ہمارے اندر نہ یورپ سے مرعوبیت کی بیماری رہ جائے گی اور نہ ہر بات پر معذرت خواہی کی عادت۔ ہم میں زبردست اعتماد اور حوصلہ پیدا ہوگا۔

اس کا مطلب یہ قطعاً" نہیں کہ ہم دنیا میں رہتے ہوئے اس کے آئے دن کروٹ بدلتے حالات اور تقاضوں کی اہمیت و ضرورت سے بے خبر اور بے پروا ہو جائیں۔ عصر حاضر کے تقاضوں سے آنکھیں بند کر لیں، عالمی حالات و معاملات سے لاتعلقی کا رویہ اپنا لیں، جدید ٹیکنالوجی سے فائدہ نہ اٹھائیں، علوم و فنون میں نت نئی ہونے والی ترقی سے بے خبر ہو جائیں، دنیا کے نت نئے بندوبست میں خود کو شامل نہ کریں، سائنسی انکشافات اور ایجادات سے فیض یاب نہ ہوں، صنعت کی ترقی میں حصہ دار نہ بنیں اور عالمی سطح پر رونما ہونے والے تہ در تہ واقعات اور ان کے مضمرات، اثرات اور نتائج سے بالکل الگ تھلگ ہو کر رہ جائیں بلکہ اپنی ناک کا چھید اتنا بھی کھلا اور ڈھیلا نہ رکھیں کہ ہندو آئیں تو اپنی معاشرت کی نکیل ہمارے ناک میں ڈال دیں، مغرب یا کوئی اور غیر چاہے تو اپنی تہذیب اور سیاسی غلامی کی نکیل ڈال دے اور یہ سب کچھ ہم چپ کر کے برداشت کرتے رہیں۔

یہ ہماری فکری و تہذیبی کمزوری ہی تو ہے کہ ہم اپنے بچے کو گھٹی ڈالنے کے عمل سے لے کر شادی بیاہ تک، اپنے آغاز سیاست سے مسند اقتدار تک اور الف با سے تعلیم کی آخری ڈگری تک دوسروں کے رواج اور معیار کے مطابق ڈھلتے نظر آتے ہیں۔ کبھی ہم اپنے اوپر اپنا رنگ بھی چڑھائیں جس سے ہم سے بہت دور کھڑا

ہوا شخص بھی پہچان کر پکار اٹھے کہ یہ مسلمان ہے ہمارا کردار، ہمارا معیار، ہمارے انداز، ہمارے اطوار اور چہرہ بشرہ خود ہمارا پتہ اور "شناختی کارڈ" بن جائے۔ قرآن مجید صحابہ کرام کے بارے میں ایک جگہ فرماتا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ان کا چہرہ ان کے صحابیؓ رسول ہونے کا پتہ دیتا ہے۔

اس عہد میں جبکہ ہمارا اپنا معیار تہذیب مستحکم تھا کسی کو کسی مسلمان کے پہچاننے میں کبھی کوئی دقت پیش نہیں آتی تھی۔ یہ باتیں بظاہر چھوٹی معلوم ہوں گی، لیکن دیگ کا ایک چاول جس طرح پوری دیگ کا پتہ دیتا ہے اسی طرح ہماری حرکات و عادات کا ایک جائزہ بات کو واضح کر دے گا کہ ہم سخت گرم علاقے کے باسی ہیں مگر ہمارا طرز تعمیر سرد ترین موسم والے یورپ جیسا بنتا جا رہا ہے۔ اس بات کا دین یا اصول دین سے کوئی تعلق نہیں۔ ہماری نقالی کی چغلی ضرور ہو رہی ہے کہ ہم اپنے علاقے کے تقاضوں اور اپنے موسم کی ضروریات و لوازمات کو نظر انداز کر کے ایسے گھر اور دفتر بنا رہے ہیں جو بجائے سہولت کے عذاب بن جاتے ہیں اور ائر کنڈیشنرز جیسے مہنگی تنصیبات کا تقاضا کرتے ہیں۔ کیا صرف اسی لئے نہیں کہ ہم نے یورپ میں اسی طرح دیکھا ہے۔ ہم اپنے ہاتھوں سے اپنا مشترکہ خاندانی نظام تباہ کر رہے ہیں۔ جو ہزاروں مشکلوں کے باوجود لاکھوں برکتوں اور خوشیوں کا باعث ہے۔ گھر کا ہر فرد "پرائیویسی" کے چکر میں ہے، ہر ایک کا اپنا کمرہ ہے اپنے یار دوست، اپنے کھانے پینے کے اوقات، اپنے سونے جاگنے کا پروگرام۔ ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ ہم نے سن رکھا ہے کہ یورپ میں بیٹی ماں کی اور بیٹا باپ کا پابند نہیں۔ چوں کہ ہمیں یورپ کی نقالی کا بخار چڑھا ہوا ہے اس لئے ہم بھی ایسا ہی کر رہے ہیں۔ اس بگٹٹ دوڑ کا یہ نتیجہ سامنے ہے کہ محراب و منبر سے لے کر ہر شعبہ زندگی بشمول صحافت اور سیاست سے مقصدیت، سنجیدگی، وقار، تقویٰ، خوفِ آخرت اور احترام کے رویئے ایک ایک کر کے رخصت ہو رہے ہیں۔ بے یقینی اور اعتماد ختم ہو جائے تو یہی کچھ ہوتا ہے۔

اگر انسان ساری عمر صرف باہر ہی باہر دیکھتا رہے یا آگے ہی آگے دیکھتا رہے تو وہ کبھی اپنے اندر کی خوبیوں سے بے خبری اور یاد ماضی سے محروی اتنا معمولی نقصان نہیں کہ کوئی شخص کسی اندھے شوق کی خاطر خواہ مخواہ برداشت کرے۔

بات ہو رہی تھی خود اعتمادی کی جس میں کمی آئی تو ہمیں اپنی خوبیاں برائیاں اور دوسروں کی برائیاں خوبیاں نظر آنے لگیں۔ سیرت النبیؐ کی کتابوں میں ایک واقعہ نظر آتا ہے جو ہمارے لئے مفید مطلب ہے اس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ ہم بھی مسلمان ہیں اور کلمہ گو ہیں اور اسی طرح کا کلمہ توحید صحابہ کرامؓ نے بھی پڑھا تھا، مگر دونوں میں نفسیات کا بے پناہ فرق تھا اور ہمیں دوسروں کے آداب و اصول عزیز ہیں۔

ایک مرتبہ گورنر مدائن (عراق) حضرت سلیمان فارسیؓ ایک دوسرے ملک کے وفد سے ملاقات کر رہے تھے۔ اس دوران کھانے کا وقت آیا تو زمین پر دسترخوان بچھایا گیا۔ دوران طعام حضرت سلیمانؓ کے ہاتھ سے روٹی کا ٹکڑا چھوٹ کر زمین پر گر پڑا۔ آپ نے اسے زمین سے اٹھا کر جھاڑا اور دوبارہ منہ میں رکھ لیا۔ آپ کے معاون خصوصی یا پرنسپل سیکرٹری قریب بیٹھے تھے، انہوں نے نگاہیں اور بیورو کریٹک مکاری سے کندھے جھکا کر، سرگوشی کے انداز میں کہا کہ حضرت! یہ لوگ مہذب ملک کے شہری ہیں اور پرتکلف تہذیب کے آدمی ہیں، آپ نے زمین پر گرا ہوا روٹی کا ٹکڑا اٹھا کر دوبارہ منہ میں رکھ لیا۔ یہ لوگ کیا سوچیں گے کہ مسلمان کو حکومت مل گئی ہے، لیکن اتنی نفاست نہیں آئی کہ زمین

پر گرا ہوا لقمہ تک دوبارہ کھا لیتے ہیں۔ حضرت سلیمان فارسیؓ نے بڑے اعتماد سے بلند آواز میں جواب دیا: "کیا میں اپنے پیارے رسولؐ کی سنت کو ان احمقوں کی وجہ سے ترک کر دوں"۔

یہ ہے وہ اعتماد جو دور اول کے مسلمانوں میں تھا انہیں قیصرو کسریٰ کے درباروں میں گھڑے جانے والے آداب و رسوم کے بجائے مسجد نبویؐ کے کچے فرش پر ترتیب پانے والی سنتوں اور قائم ہونے والے طریقوں سے قلبی لگاؤ تھا۔ دوسروں کے پکے گھر دیکھ کر اپنا کچا گھروندا گرا دینا یا تو بدمستی ہوگی یا پھر بے عقلی!

یہ اور اس طرح کی مثالیں فرائض اور واجبات کا درجہ نہیں رکھتیں کہ انہیں جوں کا توں دہرایا جائے بلکہ ان کے ذریعے زندگی کا راستہ ضرور متعین ہوتا ہے کہ ہمیں دنیا میں رہنا ہے تو پرائی جنت ہی کو ہر وقت لالچ بھری نظروں سے نہیں دیکھنا چاہئے۔ اپنے ہی زور بازو سے حاصل کی ہوئی دال روٹی پر انحصار قوت حیدری ہے اور یہی مردان کار کا شیوہ ہے۔ دولت مندی مال سے نہیں، نظر اور دل کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ اگر ہمارے لیپنے بنیاد پرستی کی اصطلاح سن کر چھوٹنے لگیں اور ہم ایوان میں بالکل مختلف موضوع پر تقریر کرنے کے دوران غیر ملکی سفیروں کی گیلری کی طرف منہ اٹھا کر اعلان کر دیں کہ نہیں جی میں تو بنیاد پرست نہیں ہوں' تو کیا اس سے اقتدار کو طوالت مل جائے گی؟ اقتدار اللہ تعالیٰ کی ذات دیتی ہے یا گیلریوں میں بیٹھے ہوئے سفیر؟ اور پھر وہ کیا سوچتے ہوں گے کہ موضوع ہے زرعی ترقی اور اس میں صفائی پیش کی جا رہی ہے فنڈا مَنٹلسٹ نہ ہونے کی۔ کیا یہ نہیں سوچا جائے گا کہ یہ حضرت ابن الوقت ہیں۔ ان میں خود اعتمادی نہیں ہے۔ یہ ہمارے ڈر سے اپنے دین کا نام لینے سے شرم محسوس کرتے ہیں۔

اسی خود اعتمادی کے حوالے سے ایک بات حکیم الامت علامہ اقبالؒ کے بارے میں تحریر کرنے کے قابل ہے۔ کسی تقریب میں ایف سی کالج کے پرنسپل ڈاکٹر لوکس کی ملاقات حضرت علامہ سے ہوئی۔ ڈاکٹر لوکس نے سوچا تھا کہ حضرت علامہ "روشن خیال" آدمی ہیں' ان سے یہ پوچھ لیا جائے کہ واقعی قرآن حکیم انہی الفاظ و حروف کے ساتھ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا یا محض مفہوم وارد ہوا اور الفاظ پیغمبرؐ کے اپنے ہیں۔ جس دور میں یہ بات پوچھی جا رہی تھی وہ عہد اسلام اور اہل اسلام کے لئے خاصا تکلیف دہ اور فتنہ انگیز تھا۔ انگریز ہم پر مسلط اور حاکم تھے اور بڑے بڑے عمائدین ملت مسلمہ معذرت خواہی کی عادت اپنائے ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ ان کے اس رویئے سے اسلام کو سخت نقصان پہنچ رہا تھا۔ عقائد سے لے کر ایمان تک میں "گوری سرکار" کی مرضی کے مطابق ترمیم و تنسیخ کے تیشے چلائے جا رہے تھے اور اپنے اچھے خاصے تاریخی قد کاٹھ کو یورپ کے تنگ جامے میں فٹ کرنے کے لئے کاٹا چھانٹا جا رہا تھا۔ ختم نبوت' وحی' الہام' ملائکہ' جہاد' جزیہ' پردہ' سود جیسے مسائل کی نئی نئی دل خواہ بلکہ "انگریز خواہ" تعبیریں پیش کی جا رہی تھیں المختصر اس ماحول میں حضرت علامہ کا جواب کس قدر اعتماد افزا' یقین افروز اور ایمان پرور تھا' ملاحظہ فرمایئے:۔

"میرا تمام مسلمانوں کی طرح ایمان ہے کہ قرآن حکیم انہی الفاظ و حروف کے ساتھ پیغمبر اسلامؐ پر نازل ہوا۔ کیوں کہ بارہا مجھ جیسے شخص پر شعر الہام ہو سکتا ہے تو نبی پاکؐ کی ذات پر قرآن مجید اس طرح نازل کیوں نہیں ہو سکتا"۔

آج اگر کوئی ناپختہ اور خام خیال "دانشور" اسے حضرت علامہ کی خوش اعتقادی قرار دے تو اس کا اپنا قصور اور علم و ایمان کی کمزوری ہے' اسی خود اعتمادی نے تو حضرت علامہ کو "حکیم الامت" کا منصب بخشا ہے۔

آج ہم خوش ہو رہے ہیں کہ ہم نے "بنیاد پرست" ہونے کی تردید کر کے خود کو اس بوجھ سے سبکدوش کر لیا ہے مگر اس کا کیا علاج کہ اہل مغرب ہماری معذرت اور تردید سے پھر بھی مطمئن نہ ہوں اور ہم سے کہیں کہ تم "بنیاد پرست" ہو کیونکہ تمہارے ملک کے ساتھ اسلامی جمہوریہ آتا ہے تمہارے ہاں مذہبی امور کی باقاعدہ وزارتیں ہیں تم ہر سال حج پالیسی بناتے ہو۔ تمہارے اجلاسوں کا آغاز تلاوت قرآن سے ہوتا ہے ملتے وقت اسلام علیکم کہتے ہو۔ تقریر کا آغاز بسم اللہ سے کرتے ہو تمہارے قومی ترانے میں خدائے ذوالجلال آتا ہے پاکستان کا دارالحکومت اسلام آباد ہے تمہارے عساکر کا ماٹو' ایمان' تقویٰ اور جہاد ہے تمہارا سرکاری مذہب اسلام ہے۔ ہم کہاں کہاں اور کس کس کی بات کی تردید اور وضاحت کرتے پھریں گے "تم جب تک اپنا دین نہیں بدل لو گے کافر تم سے راضی نہیں ہوں گے" قرآن۔

ورنہ وہ ہمیشہ "پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ" اور اسی طرح "موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں" کی تلقین کیوں کرتے رہتے؟ اس تلقین میں کار فرما حکمت یہ ہے کہ خود اعتمادی کی کمی انسان میں بے یقینی پیدا کرتی ہے۔ اور یہی بے یقینی انسان کو ایک "لڑھکتا ہوا پتھر" بنا دیتی ہے جو بالآخر سر کے بل کسی اندھی کھائی میں جا کر گرتا اور پاش پاش ہو جاتا ہے۔

یہ تو تھا اس مسئلے کا ایک پہلو' جس کے ذریعے یہ واضح کیا گیا کہ کسی اعزاز یا الزام' کسی خیر یا شر اور کسی فائدے یا نقصان کے رد و قبول کا معیار کیا ہونا چاہیے؟ یہی معیار ہی ہے کہ قوموں کے گرنے اور سنبھلنے کے رویے ترتیب پاتے ہیں۔ اگر ہر بات کو اس کا سیاق اور سباق جانے بغیر قبول یا رد کر دیا جائے تو پھر کوئی بات بن ہی نہیں سکتی۔

آج مغرب اگر ہمیں "بنیاد پرست" کہتا ہے اور ہم فوراً" کانوں کو ہاتھ لگا کر توبہ توبہ کرتے ہیں کہ نہیں جی ہم بنیاد پرست نہیں ہیں۔ یعنی مغرب کے مفہوم کے مطابق تاریک خیال' جنگجو' قدامت پسند اور روایت پرست نہیں ہیں تو اس امر کی کیا ضمانت ہے کہ کل کو یہی مغرب ہمیں "کلمہ گو" کہہ کر چھیڑنا شروع کر دے اور اس کا مفہوم یہ بتائے کہ کلمہ گو کا مطلب وہ انسان ہے جو ہر وقت اللہ سے ڈرتا رہتا ہے' دکھ تکلیف آئے تو نمازیں پڑھتا ہے آخرت میں ثواب و عذاب کو مانتا ہے' بے شمار کام دوزخ کے عذاب کے ڈر کی وجہ سے کرتا ہے' تو کیا ہم فوراً" وضاحتوں پر اتر آئیں اور اپنی صفائی دینا شروع کر دیں کہ نہیں جی ہم تو "کلمہ گو" نہیں ہیں۔ ہم تو سیدھے سادے مسلمان ہیں اور "کلمہ گو" کا جو مفہوم مغرب متعین کر دے' ہم اسے "الہام ربانی" سمجھ کر اس پر ایمان لے آئیں۔ ظاہر ہے یہ سلسلہ پھر کہیں رکتا نظر نہیں آتا۔ تو کیوں نہ آئے روز کی چخ چخ کا مقابلہ کرنے کے لئے علی الاعلان کہہ دیں کہ ہاں ہم بنیاد پرست ہیں۔ ایک کچی کوٹھڑی بنیاد کے بغیر کھڑی نہیں ہو سکتی تو ایک دین' ایک تہذیب' ایک امت' ایک قوم' ایک ملت بغیر بنیاد کے کیوں کر اقوام عالم کی صف میں اپنا وجود بر قرار رکھ سکتی ہے؟

رہا بنیاد پرست کا وہ مفہوم جو مغرب سمجھتا ہے اور ہم پر چسپاں کرتا ہے تو وہ اس کے منہ پر مارنا چاہئے کہ تاریک خیال' جنگجو اور توہم پرست ہم نہیں تم ہو۔ ذرا اپنی تاریخ کے اوراق کھول کر دیکھ لو جب اسلام کا نور اور قرآن کا پیغام دنیا کو منور اور پرسکون زندگی کا

ڈھنگ بتا رہا تھا اس وقت یورپ جہالت اور بد تہذیبی کے اندھے غاروں میں پڑا ہوا تھا۔ تہذیب تو دور کی بات ہے۔ صلیبی جنگیں ہمارا نہیں تمہارا ورثہ ہے ہمارا سفر دار ارقم سے شروع ہو کر فتح مکہ پر منتج ہوا۔ اس دوران نہایت معمولی خون بہا اتنا کہ جس قدر عام انسانی دنیا میں معمول کے مطابق قتل ہوتے ہیں۔ اور تم ہو ہمیں جنگجو کہنے والے' جب کہ ہیرو شیما اور ناگاساکی کی آب و ہوا تمہارے وحشیانہ حملوں اور قتل عام کی بو سے اب تک آلودہ اور روز حشر تک آلودہ رہے گی۔ ہم مسلمان آج بھی قرآن و سنت کی روشنی میں حق اور باطل کا واضح عقیدہ رکھتے ہیں اور ہمارے نزدیک حق اور باطل اضافی سینے نہیں بلکہ دائمی اصطلاحات ہیں۔ دونوں واضح اور طے شدہ ہیں۔ دونوں میں حد فاصل ازل سے ابد تک قائم ہے اور باطل کا مفہوم حالات کے تحت آئے روز بدلتا ہے اس لحاظ سے تاریک خیال تم ہو یا ہم ہیں؟ گزشتہ نصف صدی کی تاریخ ہی اٹھا کر دیکھ لی جائے اور آزادی کی تحریکوں میں ہونے والی خونریزی کا باب کھول لیا جائے تو پتہ چل جائے گا کہ مسلمان خونخوار ہیں یا یورپ اور مغرب اور دوسری غیر مسلم دنیا کے منہ کو خون کی چاٹ لگی ہوئی ہے۔ لیبیا میں سنوسی کی تحریک ہو یا الجزائر کی خون آشام جدوجہد' جہاد کشمیرو فلسطین ہویا جلیانوالہ باغ ویت نام ہو یا افغانستان کی جنگ' بوسنیا میں مسلمانوں کی نسل کشی ہو یا چیچنیا میں خون مسلم کی ارزانی' یہ کون سے تاریخ کے خفیہ گوشے ہیں جو کسی کو معلوم نہ ہو سکیں گے؟

ذرائع ابلاغ کے پراپیگنڈے کے زور پر نہ تاریخ مسخ ہوتی ہے اور نہ حقائق تبدیل ہوتے ہیں۔ ہم وہ امت ہیں جس کے ہر فرد کے لئے ہمارے اللہ ہمارے رسول کریمؐ ہمارے دین اور ہمارے قرآن نے جو نام پسند کیا ہے' وہ "مسلم" ہے اور ہمارے نام ہی میں "سلامتی" کا جوہر موجود ہے'ہےکوئی دوسری امت' ملت یا قوم جو اس باوقار اور امن کے علمبردار نام سے موسوم ہو؟

دنیا بھر کے مسلمانوں خصوصاً" اپنے حقوق کے حصول کے لئے جابروں کا مسلح مقابلہ کرنے والوں کو مغرب کی جانب سے بنیاد پرست' تشدد پسند اور جنگجو کہنا اس اردو کہاوت کو سچ ثابت کر رہا ہے کہ "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے"۔ جس ملت کا اللہ "رب العالمین" جس امت کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم "رحمتہ اللعالمین" جس قوم کا ضابطہ حیات "ہدی اللعالمین" اور جس جماعت کا اپنا نام "المسلمین" ہو غضب خدا کا اس کو استعماری طاقتیں جنگجو' تاریک خیال اور علم دشمن کہیں! استغفرا اللہ۔ استغفر اللہ!

سورج کو لگے دھب' فطرت کے کرشمے ہیں
بت ہم کو کہیں کافر' اللہ کی مرضی ہے

اب ذرا بات خاص اس حوالے سے ہو جائے کہ مغرب کی اس نفسیاتی یلغار کا مقصد کیا ہے کہ وہ ہمارے لئے نت نئے نام گھڑتا اور ہم سے ایسے القاب منسوب کرتا ہے جو اپنی ترکیب میں تو اتنے غلط نہیں ہوتے مگر مغرب کا پراپیگنڈا انہیں ایٹم بم کی طرح خوفناک اور گالی کی طرح شرمناک بنا دیتا ہے۔ ہمارے نزدیک نفسیاتی جنگ کا واحد مقصد مسلمانوں کو ہراساں کرنا اور ان کی قوت مزاحمت کا امتحان لینا ہے کہ آج کل مسلمان کس پانی میں ہیں؟ انہیں اپنی جڑ بنیاد سے اکھاڑنے کا وقت آ گیا ہے یا ابھی انتظار کرنا چاہیے؟ بد قسمتی سے آج کے مسلمان اس معاملے میں کمزور نفسیات کے لوگ واقع ہو رہے ہیں کہ ابھی غیر مسلموں اور مغرب کے منہ سے الزام کے الفاظ پورے طور پر ادا نہیں ہو پاتے کہ ہم پہلے شرمانا' گھبرانا اور احساس کمتری کا شکار ہونا شروع کر دیتے ہیں اور دائیں بائیں سے ڈکشنریاں ڈھونڈ کر

معذرت کے الفاظ تلاش کرنے بیٹھ جاتے ہیں۔

اپنا ڈر اور خوف تو اپنی جگہ اگر کوئی اللہ کا بندہ اپنے فرائض دیانتداری کے ساتھ ادا کرنے کے ساتھ اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکامات پر عمل کرتا اور اپنے ساتھیوں اور ماتحتوں کو عمل کرنے کو کہتا ہے تو لوگ اسے بھی دھمکا دیتے ہیں کہ بھائی ذرا خیال سے آپ کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ آپ فنڈا منٹلسٹ ہیں۔ کہیں کل آگے جانے کا راستہ نہ رک جائے وغیرہ وغیرہ۔

آج ہم خوش ہو رہے ہیں کہ ہم نے "بنیاد پرست" ہونے کی تردید کر کے خود کو اس بوجھ سے سبکدوش کر لیا ہے، مگر اس کا کیا علاج کہ اہل مغرب شاید ہماری معذرت اور تردید سے پھر بھی مطمئن نہ ہوں اور وہ ہم سے کہیں کہ تم کس طرح "بنیاد پرست" نہیں ہو جبکہ تمہارے ملک کے نام کے ساتھ اسلامی جمہوریہ کا لفظ آتا ہے۔ تمہارے ہاں مذہبی امور کی باقاعدہ وزارتیں ہیں۔ تم ہر سال حج پالیسی بناتے ہو۔ تمہارے اجلاسوں کا آغاز تلاوت سے ہوتا ہے، ملتے وقت، تم السلام علیکم کہتے ہو، تقریر کا آغاز بسم اللہ سے کرتے ہو، تمہارے قومی ترانے میں سایہ خدائے ذوالجلال آتا ہے، پاکستان کا دار الحکومت اسلام آباد ہے، تمہارے عساکر کا ماٹو ایمان تقویٰ اور جہاد ہے، تمہارا سرکاری مذہب اسلام ہے۔ بدنیتوں اور نقصان پہنچانے والوں کے پاس بہانوں کی کمی نہیں ہوتی، مغرب سے ہر وقت یہ توقع رکھنی چاہئے کہ وہ ایک نہیں، دوسرے نہیں، تیسرے بہانے سے ضرور مسلمانوں کو بدنام اور تنگ کرتے رہیں گے اور ہم کہاں کہاں اور کس کس بات کی تردید اور وضاحت کرتے پھریں گے۔

قرآن حکیم نے واضح طور پر فرما دیا ہے کہ "تم جب تک اپنا دین نہیں بدل دو گے، وہ کافر تم سے راضی نہیں ہوں گے"۔ مغرب کو ہماری شکل و صورت اور افرادی و مالی وسائل سے خطرہ نہیں۔ اسے ہمارے نظریہ حیات یعنی نظام اسلام سے ڈر ہے جو فی الواقع اور ان کی نظر میں بھی حیات آفرین، طاقتور، زندہ، متحرک اور ہر چیلنج کا سامنا کرنے والا نظریہ حیات ہے۔ اگر اپنے نظریہ حیات سے دستبردار ہونا چاہتے ہیں تو یہ بات بالکل دوسری ہے، لیکن اسلام کے فیصلہ کن کردار کی موجودگی میں مغرب اور دشمنان اسلام ہم سے کبھی خوش، مطمئن اور بے فکر نہیں ہوسکتے۔ وہ ایٹمی ٹیکنالوجی، معاشی فراغت، دفاعی سازو سامان، فنی صلاحیت اور استحکام حکومت جیسے امور میں ہم سے بہت آگے ہیں۔ جس صلاحیت میں وہ ہم سے پیچھے ہیں، وہ نظریاتی قوت ہے۔ بلکہ اس سے محروم ہیں جس سے ان کا پورا نظام معاشرت ایک مستقل خلا کا شکار ہے۔ جسے وہ ایٹمی قوت، ٹیکنالوجی اور بے انداز دولت کے زور سے بھی پر نہیں کر سکتے۔

ان کی خواہش واضح ہو کر سامنے آرہی ہے کہ کیمونزم خواہ جیسا برا بھلا تھا، بہرحال اپنی پشت پر ایک کتابی قوت رکھتا تھا اور ان کے لئے ایک چیلنج اور درد سر تھا جسے مغرب کی سازش اور کاوش نے پاش پاش کر دیا۔ اب ان کے لئے مسئلہ صرف "اسلام" رہ گیا ہے۔ وہ اسے بھی ختم کرنا چاہتے ہیں۔ تب جاکر مغرب کو سکون نصیب ہوگا۔ اسی لئے ان کی نفسیاتی یلغار اور سیاسی، سفارتی، معاشی اور مالی دباؤ کا ہر راستہ اسلام اور اہل اسلام کی طرف جاتا ہے۔ اس سلسلے میں اہم ترین بات یہ ہے کہ مغرب نے پہلے پہل "بنیاد پرستی" کا چرچا کیا۔ اب آہستہ آہستہ اس بنیاد پرستی کو دہشت گردی کا نام دیا جا رہا ہے۔

یہ بحث اتنا طول نہ کھینچتی اگر مسلمانوں کے "لبرل اور ماڈرن" رہنما ہر ایسے موقع پر امت کے اجتماعی ضمیر

اور مجموعی احساس سے غداری کر کے شرمناک رویہ نہ اپناتے۔ وجدان یہ کہتا ہے کہ اب تک اہل مغرب مسلمانوں کے "لبرل" لیڈروں کے حلئے اور رویئے کو دیکھ کر ہی ہماری غیرت اور ملی وحدت کا اندازہ کرتے اور اپنے من مانے فیصلے ٹھونستے رہے ہیں، مگر اب شاید "بندۂ صحرائی اور مرد کوہستانی" مسلمانوں سے ان کا کھلا مقابلہ اور معرکہ پیش آنے والا ہے۔ آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو اس سے اگلے دن!

اب کی بار انشاء اللہ تعالیٰ تاریخ اپنے صفحات پر نیا باب لکھے گی۔

(بہ شکریہ ہفت روزہ ہلال راولپنڈی)

NEW HOUSE SALE

OWNER CONSTRUCTED 2 KANAL MAIN ROAD, AWASIA SOCIETY LAHORE. COVERE AREA 5400 SQ. FT. 6 BEDS D/D KITCHEN 2. T.V. LOUNGE POWDER ROOM INTER FLOOR STORAGE SPACE SERVANT QUWATERS RED BRICKS FINISH.

CONTACT: MIRZA 5760181 - 6 (9 AM TO 5 PM) WEEK DAYS

دعائے مغفرت

تنظیم الاخوان ضلع ہری پور کے امیر جناب ماسٹر غلام جیلانی صاحب کے بھانجے غلام صمدانی صاحب مینجر ایچ ایم سی ٹیکسلا وفات پاگئے ہیں۔ اور ٹیکسلا سے سلسلے کے ساتھی غلام شبیر کے والد مولوی عبدالرحمن صاحب وفات پاگئے ہیں اور کوٹ شاکر (جھنگ) کے عبدالرحمن صاحب کی والدہ ماجدہ اور مٹھ ٹوانہ کے فتح محمد صاحب کی والدہ ماجدہ وفات پاگئے ہیں۔ اور ان کیلئے احباب سے درخواست ہے کہ دعائے مغفرت فرمائیں

(۱) سلسلہ کے ساتھی محمد نور خاں (ڈسکہ) کے ماموں جان
(۲) مہر محمد فاروق نصرہ بجی (فیصل آباد)
(۳) ماسٹر انعام داور (ٹوبہ) کی والدہ محترمہ۔
(۴) ماسٹر عبدالوحید (وہاڑی) کی ہمشیرہ محترمہ۔
(۵) سید عابد شہزاد بھوپال (ڈسکہ)
(۶) سماعیل صاحب بیگووالہ (ڈسکہ) کے بھائی۔
(۷) محمد شریف (ڈسکہ) کے بھائی۔

حاجی مشتاق حسین بھمبر (آزاد کشمیر) کے والد محترم قضائے الٰہی سے وفات پا گئے ہیں ان سب کے لئے ساتھوں سے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

سلسلہ عالیہ کے صاحب مجاز ساتھی سید صالح محمد صاحب (چترال) ۲۹ اپریل ۹۷ء کو ایکسیڈنٹ ہونے کی وجہ سے انتقال فرماگئے ہیں ساتھوں سے مغفرت کی اپیل ہے۔

ایمان اور عمل کا تعلق

علماء اور مفسرین حضرات نے ایمان پر بڑی طویل اور بڑی لمبی بحثیں فرمائی ہیں۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک زبان سے یہ کہہ دینا کہ میں ایمان لاتا ہوں اور اس کے ساتھ اس شخص کا دل تصدیق کرے اس کے بعد وہ کوئی عمل کرے یا نہ کرے وہ اسے ایماندار اور مومن تسلیم کرتے ہیں اگرچہ عمل نہ کرنے سے وہ فاسق ہو گا گنہگار ہو گا لیکن کافر نہیں ہو گا مسلمان ہو گا سوائے ان کے باقی تقریباً بیشتر ائمہ اسے ایمان تسلیم

مولانا محمد اکرم اعوان

نہیں کرتے۔ وہ فرماتے ہیں ایمان کے لئے اس کے ساتھ اعمال کی تصدیق ضروری ہے اور اعمال کا نام ایمان ہے اقوال کا نام ایمان نہیں۔ امام بخاریؒ نے اپنی عظیم ترین حدیث مبارک کی کتاب اور جسے مسلمانان عالم کے ہاں اصح الکتب بعد کتاب اللہ۔ یعنی اللہ کی کتاب کے بعد دنیا کی تمام کتابوں میں سے صحیح ترین کتاب۔ قرآن حکیم کے بعد روئے زمین پر دوسرے نمبر پر صحیح ترین کتاب جو ہے وہ مسلمانوں کے نزدیک امام بخاریؒ کی صحیح بخاری شریف ہے۔ اس میں انہوں نے ایک پورا باب باندھا ہے "کتاب الایمان" اور اس پورے باب کا ماحاصل یہ ہے کہ اعمال ہی کا نام ایمان ہے اگر کسی کا عمل اس کے ایمان دار اور مسلمان ہونے کی دلالت نہیں کرتا تو وہ فرماتے ہیں وہ ایماندار نہیں ہے۔ بالکل اس طرح جس طرح کوئی ہندو کوئی سکھ کوئی عیسائی کوئی دوسرا کسی غیر مذہب کا آدمی یا کوئی لا مذہب آدمی تحقیق کے لئے یا ریسرچ کے لئے یا اپنے علم میں اضافے کے لئے قرآن کریم کی شرح یا معانی پڑھتا ہے یا حدیث شریف پڑھتا ہے یا اسلامی عقائد کو وہ زبان سے دہراتا ہے تو اس سے وہ مسلمان نہیں ہو جاتا۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں جس طرح وہ مسلمان نہیں ہوتا اسی طرح کوئی بھی شخص یہ کہہ دیتا ہے کہ میں مسلمان ہوں لیکن اس کا عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے خلاف ہے اللہ کے حکم کے خلاف ہے تو کیا دلیل ہے اس کے مسلمان ہونے کی؟

بیشتر دلائل جو ہیں وہ تائید کرتے ہیں امام بخاریؒ اور دوسرے ائمہ کی جن سے یہ قول ہے لیکن امام اعظمؒ وسیع الظرفی سے کام لیتے ہوئے اور لوگوں کے لئے شفقت کا پہلو مدنظر رکھتے ہوئے فرماتے ہیں ایک شخص کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں تو آپ اس کی تردید نہ کریں کم از کم دنیا میں تو جو مسلمان کا حق ہے اسلامی حقوق جو ہیں وہ اسے حاصل ہوں۔ لیکن وہ بھی فرماتے

ہیں کہ اگر ایک شخص کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں میرا دل بھی اس کی تصدیق کرتا ہے لیکن وہ نماز ہی نہیں پڑھتا۔ تو وہ فرماتے ہیں اسے دو تین دفعہ متنبہ کیا جائے کہ نماز پڑھو اگر انکار کر دے کہ میں نہیں پڑھوں گا تو سب کے نزدیک کافر ہو گا لیکن کہتا ہے پڑھوں گا لیکن پڑھتا نہیں ہے تو اسے آزاد رہنے کا حق حاصل نہیں ہے حاکم وقت کو چاہئے کہ اسے قید کر دے اور اسے تب تک قید میں رکھے جب تک توبہ کر کے عملی زندگی میں اسلام کو اختیار نہیں کرتا اور اگر اس کے بغیر مر جائے تو پھر امام صاحب بھی فرماتے ہیں اس پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جائے گی مسلمانوں کے قبرستان میں اسے دفن نہیں کیا جائے گا۔

باقی ائمہ قید رکھنے کا مشورہ نہیں دیتے وہ فرماتے ہیں اسے تین دفعہ مشورۃ" کہا جائے اگر تیسری دفعہ کہنے کے باوجود وہ کہتا ہے پڑھوں گا پڑھتا نہیں ہے اسے قتل کر دیا جائے جنازہ نہ پڑھا جائے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جائے۔

یہ ساری بحث اسی ایک لفظ پر ہے کہ ایمان کیا شے ہے اور کون مومن ہے۔ قرآن حکیم کا جو تقاضا ہے وہ جگہ جگہ اسی بات کی تائید کرتا ہے **اٰمنو و عملو الصلحٰت** ایمان لایا اور اعمال صالح اختیار کئے۔ ایمان کے ساتھ ساتھ متصل عمل کا حکم دیا جاتا ہے اور اسے معیار گردانا جاتا ہے۔

یہاں اس آیت کریمہ میں جو سورۃ مومن کی آیت ہے اور چوبیسویں پارے میں آئی ہے۔ اس میں بھی یہی ارشاد ہوتا ہے۔ **الذین یحملون العرش و من حولہٗ** اللہ کے وہ فرشتے جو اللہ کے عرش عظیم کو اٹھائے ہوئے ہیں اور وہ فرشتے جو عرش عظیم کے گردا گرد مقرر ہیں **یُسبحون بحمد ربّھم و یؤمنون بہٖ** ہر آن اللہ جل شانہ کی تسبیح بیان کرتے ہیں تقدیس بیان کرتے ہیں اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اس کی تعریف اور ثنا بیان کرتے ہیں **و یؤمنون بہٖ** اور اللہ پر یقین رکھتے ہیں ایمان رکھتے ہیں۔ یہاں اب ایمان کو تسبیح و تقدیس کے بعد ارشاد فرمایا۔ یعنی اگر ایمان ہو تو اللہ کی عظمت خواہ مخواہ بیان ہوتی رہتی ہے۔ اگر ایمان نصیب ہو جائے تو اللہ اتنی عظیم شان کا مالک ہے اور اتنی عظمتوں کا مالک ہے کہ جس کے دل کو اس کی ذات پر اعتبار ہو جائے کہ واقعی ان اوصاف کا مالک میرا خدا ہے تو پھر وہ ہمہ وقت اس کا ذکر کرتا ہی رہتا ہے یعنی اس کی ذات اتنی عظیم ہے کہ آپ ساری زندگی اوصاف بیان کرتے چلے جائیں تو آپ اس کے اوصاف کو بیان نہیں کر سکتے۔

تو یہاں اللہ کریم نے تسبیح و تحمید کو ایمان سے پہلے بیان فرما دیا فرمایا وہ فرشتے اور یہ ان کی بزرگی اور عظمت کے لئے ان کے رتبے کا بھی بیان فرما دیا کہ فرمایا ایسے فرشتے جو عام فرشتے نہیں ہیں جو زمین پر یا آسمانوں میں دوسری مخلوق کے ساتھ مصروف ہیں وہ بھی تو فرشتے ہیں اور سارے فرشتے جو ہیں وہ پاک ہیں نفس سے اور نفس کی ضروریات سے اور سارے جو ہیں وہ ہمہ وقت اللہ کا ذکر کرتے ہیں اللہ کی اطاعت کرتے ہیں اور سارے کے سارے نوری مخلوق ہیں لیکن ان میں بھی مدارج و مراتب ہیں اور جو حاملین عرش ہیں وہ بہت زیادہ عظمت رکھنے والے ہیں۔ اب جو جنت پر مقرر ہیں ان سے بھی ان کا شان بہت بلند ہے جو حاملین عرش ہیں جو عرش عظیم کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جنہیں ہر وقت تجلیات ذاتی کا قرب حاصل ہے اللہ کریم فرماتے ہیں۔

الذین یحملون العرش و من حولہٗ وہ فرشتے جو فرشتوں میں سے بھی بہت زیادہ عزت والے عظمت والے اور رتبے والے ہیں یعنی جو حاملین عرش ہیں۔ اب رعیت تو ساری بادشاہ ہی کی ہوتی ہے جو اس کے ملک میں رہتی ہے لیکن جن لوگوں کی جگہ تخت کے

گرداگرد ہوتی ہے وہ پورے ملک میں بہت ہی زیادہ معزز بہت ہی زیادہ مقرب ہوتے ہیں تو فرمایا اللہ کے وہ فرشتے جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں **و من حولہ** یا جو عرش عظیم کے قریب تر ہیں گرد ہیں **یسبحون بحمد ربّھم و یؤمنون بہ** وہ اپنے رب کی تسبیح اور تحمید بیان کرتے ہیں اس لئے تو وہ اللہ پر یقین رکھتے ہیں خدا پر ایمان رکھتے ہیں۔

اب اس کے ساتھ آپ دیکھیں کہ کہاں کی بات رب جلیل نے کہاں جوڑ دی ہے فرمایا جیسے وہ میری پاکی بیان کرتے ہیں جس طرح وہ میری تعریف بیان کرتے ہیں اتنا انہیں میری ذات پر یقین ہے اس کے ساتھ **یستغفرون للّذین اٰمنو** ان بندوں کے لئے جنہیں ایمان نصیب ہے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ کتنی عجیب بات ہے۔

ہم ساری زندگی اپنے آپ کو خدا اور خدا کے رسول کے احکام پر عمل کرنے کے لئے آمادہ نہیں کر پاتے یعنی عمل کرنا تو دوسری بات ہے ہم میں سے کوئی شخص بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں نے یہ طے کر لیا ہے اور میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ آئندہ میں کبھی خدا اور خدا کے رسول کی نافرمانی نہیں کروں گا۔ یعنی نافرمانی نہیں کروں گا۔ یعنی نافرمانی نہ کرنا تو پھر بعد کی بات ہے آدمی ایک بات طے تو کرتا ہے فیصلہ تو کرتا ہے ہم وہ بھی نہیں کر پاتے اور جب آدمی اس دنیا سے چلا جاتا ہے مر جاتا ہے۔ تو پھر ہم دین کی بجائے رواجات کا سہارا لیتے ہیں اور اس کا جو مال رہتا ہے اسے لوگوں کو بے دریغ کھلاتے ہیں۔ ادھار لے کر لوگوں کو کھلاتے ہیں۔ اپنے پاس سے کھلاتے ہیں اس لئے کہ لوگوں میں ہماری شہرت ہو جائے کہ اس کا بھائی مرا تھا اس کا باپ مرا تھا اس نے بڑے اخراجات کئے تھے یہ بہت بڑے لوگ ہیں یہ سارا کچھ دین نہیں ہے۔

دین کی بنیاد ہے اللہ کی عظمت کو قبول کر لینا اور اپنے آپ کو خدا کا محتاج یقین کر لینا۔ اب رہ گئی یہ بات کہ ہم مرنے والوں کے لئے لوگوں کی جو دعوتیں کرتے ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ کلام پڑھ کر بخش دو یہ کرو وہ کرو تو اس سے کیا ہوتا ہے تو سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اہل سنت و الجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ ایصال ثواب درست اور جائز ہے اور یہ صرف مرنے والے کے لئے جائز نہیں ہے بلکہ کوئی بھی نیکی جو آپ بطور نفل کرتے ہیں کسی مرے ہوئے کو اس کا ثواب بخش دیں یا کسی زندہ کو بخش دیں وہ آپ کا سرمایہ ہے آپ اسے بخش سکتے ہیں کہ ایصال ثواب کے لئے مرنا ہی شرط نہیں ہے کہ ہم صرف کسی مرے ہوئے کو ایصال ثواب کر سکتے ہیں۔ کسی زندہ شخص کے فرض جو ہیں وہ تو اپنے ذمہ فرض ہیں۔ میں کچھ نفل نماز پڑھتا ہوں نفلی صدقہ دیتا ہوں نفلی حج کرتا ہوں تو میں کسی زندہ کے لئے بھی کر سکتا ہوں اور مرنے والے کے لئے بھی کر سکتا ہوں شرط یہ ہے کہ وہ بھی مسلمان ہو۔ لیکن اگر وہ مسلمان ہو اگر جسے ہم ایصال ثواب کرنا چاہتے ہیں وہ مسلمان ہو تو زندگی میں بھی، موت میں بھی، اور مابعد الموت بھی اللہ کو وہ اتنا پیارا ہے کہ اللہ کے قریب ترین رہنے والے جو فرشتے ہیں حاملین عرش جو فرشتے ہیں مقرب ترین جو فرشتے ہیں وہ بھی جہاں اللہ کی تحمید و تقدیس کرتے ہیں وہاں مومن کے لئے دعا مغفرت کرتے ہیں۔ یعنی صرف اس کا مسلمان ہونا جو ہے ایماندار ہونا جو ہے وہ اتنی عظمت کا حامل ہے کہ اسے میری اور آپ کی دعاؤں کی احتیاج ہی نہیں رہتی۔

آپ اندازہ فرمائیں کہ حاملین عرش جس دعا میں مصروف ہوں وہ دعا کون نہیں مانتا ہو گا۔ حدیث شریف میں آتا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مومن کے لئے آسمانوں کے فرشتے فضاؤں میں رہنے والی مخلوق زمین پر بسنے والے کیڑے پتنگے اور دریاؤں میں

رہنے والی مچھلیاں تک مغفرت کی دعائیں کرتی ہیں۔ یعنی اللہ کی وہ مخلوق جسے اللہ سے مانگنے کا شعور ہے وہ جہاں اپنی ضروریات مانگتی ہیں مومن کے لئے مغفرت ضرور طلب کرتی ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ حاملین عرش کے منہ سے جو کچھ نکلتا ہے وہ مخلوق کے دلوں سے نکلتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ جسے عزت دینا چاہے اس کی عزت حاملین عرش فرشتوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے ان کے طفیل جو فرشتے ان سے ملتے ہیں ان کے دل میں یہ بات آ جاتی ہے جو ان سے ملیں ان کے طفیل اسی طرح زمین تک پہنچتی ہے اور انسانوں کے دلوں میں آ جاتی ہے ہر دل میں اس کے لئے عزت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ کریم جسے ذلیل کرنا چاہے حاملین عرش کے دلوں میں اس کا بغض اور اس کے لئے ذلت القا فرما دیتا ہے پھر وہاں سے وہ درجہ بدرجہ درجہ بدرجہ زمین تک پہنچتی ہے ہر شخص کے دل میں اس کے لئے ذلت پیدا ہو جاتی ہے۔

تو صرف ایمان لانا اللہ کے نزدیک اتنا عظیم کام ہے اور اس شخص کو اتنا اہم اور اتنا معزز بنا دیتا ہے کہ اللہ کریم فرماتے ہیں وہ فرشتے جو میرے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو عرش کے گرداگرد متعین ہیں وہ میری تسبیح بیان کرتے' تعریف بیان کرتے ہیں میرے ساتھ کامل یقین رکھتے ہیں۔ **و یستغفرون للذین اٰمنو** اور ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے ہیں مجھ سے مغفرت طلب کرتے ہیں اور عرض کرتے ہیں. اپنی بات **یُسبحون بحمد** میری تسبیح اور میری حمد بیان کرتے ہیں فرشتوں کی عظمت یہ ہے **و یؤمنون بہ** ان کا ایمان کامل ہے۔ جب مومن کی بات آئی تو اسے بڑی تفصیل سے بیان فرمایا۔ فرمایا وہ عرض کرتے ہیں۔

ربنا وسعت کلّ شیًٔ رّحمۃً وّ علماً وہ فرشتے یہ عرض کرتے ہیں حاملین عرش کہ اے اللہ تیری رحمت ہر چیز پر وسیع تر ہے اور تیرا علم بھی سب سے وسیع تر ہے یعنی ہم نہیں جانتے کس سے کیا گناہ سرزد ہوا کس سے خطا ہوئی۔ لیکن کسی کا کوئی گناہ تیری رحمت کو مجبور نہیں کر سکتا۔ کوئی گناہ ایسا نہیں ہے جو تیری رحمت کو عاجز کر دے تو اپنی رحمت سے **فاغفر للذین تابوا واتّبعوا سبیلک** آگئی تاایمان کی تشریح۔

یعنی فرشتے عرض کرتے ہیں خدایا ان لوگوں کو بخش دے **للذین تابوا** جو گناہوں کی زندگی ترک کر چکے ہیں انہوں نے توبہ کر لی۔ **و اتبعو سبیلک** اور جنہوں نے تیری اطاعت اختیار کر لی اور تیرے راستے پر چل پڑے۔ اوپر تھا **یستغفرون للذین اٰمنوا**۔ یہ **امنوا** کی تشریح اللہ کریم نے انہی فرشتوں کی زبان سے جو فرشتے بیان کرتے ہیں اپنی دعا میں وہ بیان فرما دی۔ فرمایا وہ بخشش مانگتے ہیں ایمان والوں کے لئے اب جب ان کی دعا عرض کی تو فرشتوں نے ایمان والوں کا ذکر نہیں کیا۔ انہوں نے ایمان والوں کی تعریف بیان کر دی۔ جو تعریف فرشتوں نے اپنی دعا میں بیان کی ہے اس کا نام اللہ نے **امنوا** رکھا ہے کہ یہ مومنین ہیں۔ فرشتے کہتے ہیں۔

للذین تابوا جنہوں نے گناہوں سے توبہ کر لی۔ جنہوں نے گناہوں کو چھوڑ دیا برائی کو چھوڑ دیا **و اتبعوا سبیلک** اور خدایا جنہوں نے تیری اطاعت اختیار کر لی۔ یعنی بات وہی آ گئی جو امام بخاریؒ نے فرمائی تھی کہ ایمان عمل کا نام ہے برائی چھوڑ کر اللہ کی اطاعت اختیار کر لی تو یہ بات اس بات کی دلیل بن گئی کہ یہ شخص ایمان لے آیا اور ایک شخص کہتا ہے میں اللہ پر ایمان لے آیا ہوں لیکن اللہ کا حکم نہیں مانتا تو کیا ثبوت ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لے آیا۔

تو وہ فرشتے عرض کرتے ہیں باراللہ۔ **و قھم عذاب الجحیم** ان کو دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔ خدایا جہنم کے عذابوں سے انہیں محفوظ رکھ اور عرض

کرتے ہیں۔ ربّنا وادخلھم جنّٰت عدن التی وعدتّھم خدایا تو نے جس جنت کا مومنین کے ساتھ وعدہ کیا ہے اس جنت میں ان کو داخل فرما نہ صرف یہ کہ دوزخ سے ان کو بچا لے بلکہ دوزخ سے بچا کر ان کو جنت میں داخل فرما نہ صرف ان کو بلکہ

و من صلح من اٰباءِ ھم و ازواجھم و ذرّیّٰتھم بلکہ ان کے سارے خاندان میں سے جس جس نے محمد رسول اللہ کی غلامی کی ہے سب پر یہی انعام فرما لیکن و من صلح کی قید لگا دیتے ہیں ساتھ۔ یہ صلح کیا ہے؟ جس کے عمل میں صلاحیت پیدا ہو گی اور عمل کی صلاحیت کا معیار ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو عمل حضور کے عمل کے تابع ہے وہ عمل صالح ہے اور جو کام بھی حضور کے عمل کے خلاف ہے وہ غیر صالح ہے تو یہاں فرشتے وہی قید لگا کر عرض کرتے ہیں کہ خدایا جن لوگوں نے توبہ کی اور تیرا راستہ اختیار کیا انہیں دوزخ سے بچا لے نہ صرف یہ کہ انہیں دوزخ سے بچا انہیں جنت میں جنت عدن میں داخل فرما اس جنت میں جس کا تو نے ان کے ساتھ وعدہ کیا ہے اور صرف انہی کو نہیں بلکہ ان کے ماں باپ کو ان کی بیویوں کو ان کی اولادوں کو سب کو داخل فرما دے جس جس نے بھی عمل صالح اختیار کیا۔ اب یہ تو فرشتوں کی بھی جرات نہیں ہے کہ وہ کہہ دیں کہ خدایا اس کا عمل تو تیرے اور تیرے نبی کے حکم کے خلاف ہے لیکن تو اسے جنت میں داخل کر دے یہ نہیں کہتے۔

میں اور آپ بھی یہ نہیں کہہ سکتے کہ خدایا یہ شخص برائی بھی کرتا رہے اور تو اس کو اپنا قرب بھی عطا کر دے ہاں اگر زندہ شخص کافر بھی ہو تو اس کے لئے میں اور آپ دعا کر سکتے ہیں کہ خدایا اسے ایمان عطا کر دے لیکن اگر وہ اسی حالت پر مرجائے تو اس کے لئے دعا کرنا حرام ہے۔ مرنے کے بعد کافر کا کوئی حق نہیں رہتا کہ اس کے لئے کوئی دعا بھی کرے۔ اب رہ گیا مومن تو فرمایا ایمان تو اتنی عظمت دے دیتا ہے آدمی کو کہ اس کے لئے زمین کے ریزے بھی دعا کرتے ہیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ کوئی صرف اذان کہہ دے تو جہاں تک پتھر اور زمین کے ذرات سنتے ہیں وہ میدان حشر میں اس کی طرف سے گواہ ہوں گے کہ خدایا اس نے تیرا نام بلند کیا تھا ہم نے بھی سنا تھا۔ اس طرح جو شخص صدقات دیتا ہے نماز ادا کرتا ہے کبھی مسجد میں کبھی گھر میں کبھی جنگل میں کبھی صحرا میں تو جہاں جہاں اس کی پیشانی جھکتی ہے پاؤں لگتے ہیں گھٹنے لگتے ہیں ہاتھ لگتا ہے تو وہ سارے ذرات بھی اس کے لئے بخشش مانگتے ہیں۔ جہاں جہاں آواز اس کے ذکر الٰہی کی جاتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ زمیں پر رہنے والے حشرات دریاؤں اور سمندروں کی مچھلیاں تک مومن کے لئے بخشش طلب کرتی ہیں۔

اسی طرح رب کریم نے یہاں فرما دیا کہ عرش کے اٹھانے والے فرشتے اور مقرب جو عرش کے اردگرد رہنے والے فرشتے ہیں وہ بھی مومنین کے لئے اللہ کے ایماندار بندوں کے لئے اللہ سے بخشش طلب کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں خدایا انہیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔ ان کو ان کے ماں باپ کو ان کے بیوی بچوں کو جنت میں داخل فرما لیکن شرط یہی ہے اللّذین تابوا واتّبعوا سبیلک اگر یہ توبہ کر لیں ان لوگوں کے لئے یہ دعا کرتے ہیں جو توبہ کر لیتے ہیں ساری زندگی توبہ کیا ہوتی ہے اپنے اعمال کو جو اللہ اور اللہ کے رسول کے حکم کے خلاف ہوں ان کو غلط تسلیم کر لینا یہ مان لینا کہ میں نے غلط کی اور ان کے لئے جواز مہیا کرتے رہنا ہے یہ درست نہیں ہے۔

مان لینے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آئندہ آدمی پوری کوشش کر کے غلطی کا اعادہ نہ کرے اس سے بچنے کی پوری کوشش کرے۔ ماننے کا مطلب تو یہ ہے کہ

ایک کام کو میں کہتا ہوں کہ یہ برا کام ہے تو اگر تو میں سچے دل سے کہتا ہوں تو یقیناً آئندہ میں اس میں ملوث ہونے کی کوشش نہیں کروں گا اور اگر میں زبانی کہتا ہوں کہ یہ کام برا ہے دوسرے دن پھر وہی کام کرتا ہوں تو میرا یہ کہنا بھی منافقت ہے کہ میں کہتا کچھ ہوں اور میرے دل میں کچھ ہوتا ہے۔ تو فرمایا کوئی شخص کتنا بھی گناہ کر چکا ہو کسی لمحے اسے احساس ہو جائے اور وہ گناہ کو چھوڑ دے اور اللہ سے مغفرت طلب کرے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اختیار کر لے تو اس کی بخشش کے لئے حاملین عرش فرشتے تک دعا کرتے ہیں نہ صرف اسی کے لئے اس کے سارے خاندان کے لئے کرتے ہیں۔

تو آپ اندازہ کریں کہ یہ تو محض بخشنے کا ایک بہانہ ہے کہ تمام کائنات کو اس کی بخشش مانگنے پر لگا دیا تو یہ محض عطا کرنے کا اک بہانہ ورنہ حق بات یہ ہے کہ اللہ کی بخشش خود اس کے ہاتھ کو پکڑ لیتی ہے مگر شرط یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے اپنے آپ کو وابستہ کرے۔

اور اگر ساری زندگی کوئی شخص اتنا بھی نہ کر سکے کہ اپنے آپ کو حضورؐ کی غلامی میں دے دے نبی رحمت کے مقابلے میں اپنا حکم چلاتا رہے ساری زندگی۔تو اسے کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اللہ کی رحمت کا امیدوار ہو۔ دیکھیں ساری کی ساری رحمت ہے محمد رسول اللہ **و ما ارسلنک الا رحمتہ اللعٰالمین** اب اگر کوئی شخص شومئی قسمت سے حضور نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے دور رہا آپ کی غلامی نہیں کر سکا۔ دیکھیں میرے اور آپ کے پاس حضورؐ کے قریب ہونے کا کیا ذریعہ ہے۔ ایک زمانہ تو وہ تھا کہ حضورؐ اس عالم آب و گل میں تشریف رکھتے تھے تو قرب جسمانی کا تصور تھا کہ کوئی شخص خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور قریب ہو کر بیٹھ گیا۔

لیکن اب تو وہ تصور بھی نہیں رہا۔ مگر اس زمانے میں بھی یاد رکھیں جو لوگ قریب بھی رہے اور ان کے دلوں نے حضور کی غلامی اختیار نہیں کی وہ مومن نہیں بن سکے۔ وہ بھی جہنم کا ایندھن ہی بن گئے۔ حالانکہ جسمانی طور پر وہ سب قریب تھے مکہ والے کیا سب قریب نہیں رہتے تھے۔ مدینہ میں جتنے منافق تھے وہ حضورؐ کے ساتھ آکر نماز نہیں پڑھتے تھے۔ سب کچھ ہوتا تھا لیکن انہیں دوزخ سے رہائی نہ مل سکی اس لئے کہ ان کے دل جو تھے وہ حضورؐ کی غلامی قبول نہیں کرتے تھے۔

اور آج بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کا راستہ یہی ہے میرا آپ کا ہم سب کے دل حضورؐ کی غلامی قبول کر لیں اور ہم اپنے اعمال کو حضورؐ کے تابع بنا کر خوش ہوں ہمیں اس بات پر مسرت ہو کہ میرا عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق ہے اور جہاں ہم حضورؐ کی غلامی نہ کر سکیں وہاں کم از کم ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ ہمیں دکھ پہنچے کہ یہ کام میں نے حضورؐ کے حکم کے خلاف کر دیا کیوں کر دیا اور آئندہ ہم کوشش کریں کہ ایسا نہیں کریں گے۔ تب جا کر ہم مومنین کی صف میں کھڑا ہونے کے قابل ہیں اور تب ہم مومن کہلانے کے مستحق ہیں اور اگر کسی کو یہ درجہ نصیب ہو جائے وہ ایمان دار ہوں وہ مومن ہوں تو پھر اللہ کریم فرماتے ہیں زندگی میں، موت میں، بعدالموت ہر آن اس کے لئے اللہ کے مقرب فرشتے بھی دعا کرتے ہیں کہ خدایا اسے بخش دے اس پر رحم فرما اور اسے دوزخ سے بچا اس کے ماں باپ کو بخش دے اس کی اولاد اور اس کی بیوی کو بخش دے اس کے خاندان کو بخش دے۔

انک انت العزیز الحکیم خدایا تو غالب بھی ہے اور حکمت والا بھی ہے۔ پھر عرض کرتے ہیں خدایا **و قھم السیّاٰت** خدایا اس کو گناہوں سے بچا لے یہ بڑی مزے دار تشریح ہے ایمان کی یعنی ایمان اس کیفیت

کا نام ہے جو ہمارے اور گناہ کے درمیان دیوار بنتی ہے انسان کا نفس جب گناہ کرنا چاہے تو اس کے اندر سے ایک ایسی قوت ابھرے جو اسے گناہ سے روک دینے اس ابھرنے والی قوت کا نام ایمان ہے۔ یہی بات وہ اپنی دعا میں یہ حاملین عرش فرشتے دہراتے ہیں **و قھم السیاٰت** خدایا اسے گناہوں سے بچا لے اسے وہ قرب عطا فرما وہ کیفیت عطا فرما دے کہ یہ تیری نافرمانی نہ کر سکیں۔

اس کیفیت کو سمجھنے کے لئے ہم ایک آسان راستہ اختیار کرتے ہیں۔ ہمارے دنیا میں بعض لوگوں کے ساتھ بڑے قریبی تعلقات ہوتے ہیں۔ پھر جب بھی کوئی کام آتا ہے۔ کوئی اہم فیصلہ آتا ہے رشتہ داری میں برادری میں احباب میں تو وہ شخص ہمارے پاس نہیں ہوتا لیکن ہم فیصلہ کرنے سے پہلے یا تو یہ کہہ دیتے ہیں کہ اس آدمی کو آلینے دو اس کے ساتھ مشورہ کر کے میں اس کی اجازت سے فیصلہ کروں گا۔ اگر یہ نہ کہیں تو ہم یہ سوچتے ضرور ہیں کہ میں ایسا فیصلہ نہ کروں جس سے میرا وہ دوست یا میرا وہ رشتہ دار ناراض ہو جائے اگرچہ وہ آدمی پاس نہیں ہوتا۔ ہم آپس میں رشتے ناطے کرتے ہیں ایک آدمی ایک بھائی کے پاس دوسرا بھائی رشتہ طلب کرنے کے لئے جاتا ہے مرضی اس کی اپنی ہے اس نے اپنی مرضی سے دینا ہے لیکن اس کے باوجود کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے بارے میں وہ کہہ دیتا ہے بھئی میں ان سے مشورہ کر کے جواب دے دوں گا۔ انہیں وہ ناراض کرنا نہیں چاہتا۔

اس طرح کا تعلق اللہ سے پیدا ہو جائے اور اگر ہمارے سامنے کوئی کام بھی آئے ہم یہ سوچیں کہ اللہ نے اس میں کیا کرنے اور کیا نہ کرنے کا حکم دیا ہے ایسا نہ کروں جس سے میرا رب مجھ سے ناراض ہو جائے اسے ایمان کہتے ہیں اور اگر کام کرتے ہوئے کوئی خطرہ نہ ہو جو جی میں آئے کرے حرام کھائے جھوٹ بولے برائی کرے زنا کرے۔ فسق و فجور کرتا رہے اسے کوئی احساس نہ ہو کہ میں کسی کے ساتھ تعلقات خراب کر رہا ہوں تو یہ ایمان پر دلالت نہیں کرتی اس سے یہ سمجھ آتی ہے کہ ایسے آدمی میں ایمان نہیں ہے۔ رہ گیا فقہی مسئلہ یہ میں نے پہلے عرض کر دیا کوئی شخص بھی کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں تو ہمیں اس کا یہ اقرار قبول کرنا ہوتا ہے ہم اسے مسلمان ہی سمجھتے ہیں مسلمان ہی جانتے ہیں۔ لیکن میدان حشر میں تو فیصلہ دل کی حالت پر ہو گا۔ اللہ کے نزدیک تو فیصلہ اس بات پر ہو گا جو اس کے اندر ہے تو یہی بات یہ فرشتے اپنی دعا میں عرض کرتے ہیں فرماتے ہیں۔

و قھم السیاٰت خدایا اسے اپنے ساتھ وہ تعلق نصیب فرما جو اسے تیری نافرمانی سے روک دے۔ **و من یتق السیات یومئذٍ فقد رحمتہ** خدایا جس کو تو نے برائیوں سے روک دیا اس پر تو تو نے یقیناً رحمت انڈیل دی۔ یعنی اس پر تیری رحمت ہونے میں کوئی شبہ نہیں رہا کوئی شک نہیں رہا یہ انتہائی کرم ہے تیرا کہ تو نے اسے برائی سے روک دیا۔ **ذالک ھوالفوز العظیم** اور وہ فرشتے خود ہی کہتے ہیں کہ سب سے بڑی کامیابی یہی ہے کہ انسان گناہ سے رک جائے۔

کتنی بڑی بات ہے کہ وہ صرف اس لئے گناہ نہ کرے کہ کہیں میرا رب مجھ سے خفا نہ ہو جائے اور مشت خاک کے لئے کتنے سفر کا مقام ہے کہ عاجز و بے بس انسان اللہ کے ساتھ اتنا تعلق رکھتا ہے کہ اسے فکر ہونے لگی ہے کہ کہیں میرا اللہ مجھ سے ناراض نہ ہو جائے کتنی عجیب بات ہے اور کتنی عظیم بات ہے اللہ کریم فرماتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے تو میرے فرشتے حاملین عرش فرشتے بھی بخشش اور مغفرت کی دعا کیا کرتے ہیں۔

اللہ کریم ہم سب کو حاضر و غائب تمام مسلمانوں کو ایمان کامل نصیب فرمائے۔ (آمین)

تحریک تبدیلی نظام یا تحریک نفاذ اسلام

قاضی غیاث الدین جانباز

گزشتہ چند ہفتوں سے حالات پر نظر دوڑایئے تو مستقبل کی کوئی خوبصورت تصویر ابھرتی نظر نہیں آتی ایک طرف قتل و غارت گری دہشت گردی بم دھماکے مسجد سے نکلتے ہوئے نمازیوں پر اندھا دھند فائرنگ جیسے واقعات میں تسلسل قائم ہے دوسری طرف وزیر اعظم کی "قرض اتارو ملک سنوارو" مہم کا جوش و خروش ہے مسلم لیگ اپنی لینڈ سلائیڈ وکٹری کے نشے سے سرشار ہے جب کہ بے نظیر بھٹو اپنی عبرتناک شکست کے دکھ سے باہر نہیں نکل سکیں عوام الناس نئے حکمرانوں سے بے شمار امیدیں لگائے بیٹھے ہیں اور منتظر ہیں کہ کب ان کی تقدیر بدلنے سے مبارک لمحات آتے ہیں۔

عوام کی بہت بڑی اکثریت جس نے اپنے ووٹ کا استعمال ہی نہیں کیا خاموش ہے پریشان ہے کیونکہ عوام کی بھاری اکثریت موجودہ سسٹم سیاسی و مذہبی جماعتوں اور قیادتوں و اس اہل ہی نہیں سمجھتی کہ وہ ان کی رہنمائی کا فریضہ سر انجام دے سکتی ہیں یہی وجہ ہے کہ ملک میں بحران قائم ہے اگرچہ وقتی طور پر یہ بحران زیر زمین چلا گیا ہے کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ کیا کرنا چاہئے کوئی بھی جماعت اور اس کی قیادت سوچ ہی نہیں رہی کہ پاکستانی معاشرہ کدھر جا رہا ہے اور معاشرہ میں ارتقاء یا بقاء کے کتنے امکانات ہیں کیا ہمارا معاشرہ اتنا مستحکم ہو گیا ہے کہ وہ تغیر و تبدل کے مزید صدمات برداشت کرتے ہوئے اپنی روایات برقرار رکھتے ہوئے باقی رہے یہ سوالات بہت اہم ہیں جن پر سنجیدگی سے غور و فکر کی ضرورت ہے۔

پاکستان کی نصف صدی کی تاریخ میں معاشرتی اقدار کی تعمیر میں کوئی تسلسل نہ ہونے کے سبب آج ہمارا معاشرہ جس انتشار خلفشار تذبذب بے چینی اور کئی عوامل میں مبتلا ہے اس کے اثرات ہماری جوان ہوتی ہوئی آج کی نسل اور مستقبل کی نسلوں پر کیا مرتب ہوئے ہیں اور مزید ہوں گے ہر گھر ہر محلہ ہر گاؤں میں تضادات بڑھتے ہی چلے جا رہے ہیں ہر جگہ ذہنوں کا تصادم ہے پورے ملک میں محاذ آرائی کی کیفیت خوفناک شکل اختیار کر چکی ہے وطن عزیز اپنے قیام سے لے کر اب تک پچاس سالوں سے ہنگاموں کی زد میں ہے تعصبات کی تپش کا جو تسلسل جاری ہے اسے دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ کہیں پورا معاشرہ ہی اس تپش سے جھلس نہ جائے۔

کوئی بتانے کے لئے تیار ہی نہیں کہ ہمارے معاشرہ کی بنیادی اقدار کیا ہیں؟ ہمارے معاشرہ کی پہچان کیا ہے؟ اسلامی فلاحی معاشرہ کا تصور بہت خوبصورت ہے خلفائے راشدین کے نظام کے قیام کا اعلان بہت

مبارک ہے لیکن یہ معاشرہ نظام جاگیرداری اور سودی نظام کے خاتمہ کے بغیر قائم ہو ہی نہیں سکتا موجودہ سیاسی جماعتیں اور قیادتیں اپنے طبقاتی پس منظر کے سبب جاگیرداری نظام اور سودی نظام معیشت سے نجات دلا ہی نہیں سکتیں موجودہ دونوں بڑی جماعتوں کا منشور تو امریکی نیو ورلڈ آرڈر کے نفاذ کی ضمانت دیتا ہے بے نظیر ہوں یا نواز شریف یا عمران خان نیو ورلڈ آرڈر کی فلاسفی کی روشنی میں پرائیویٹائزیشن کے راستہ پر چل رہے ہیں کیا پرائیویٹائزیشن خلفائے راشدین کا فلسفہ تھا کہ عوام یقین کر لیں کہ اسلامی نظام نافذ کرنے میں حکمران طبقات مخلص ہیں؛

ہمارے عوام محب وطن ہیں وہ دین اسلام سے قلبی لگاؤ رکھتے ہیں اور دل سے چاہتے ہیں کہ پاکستان میں اسلامی نظام سیاست و معیشت رائج ہو اسی لئے انہوں نے جب بھی موقع ملا ووٹ کی پرچی کے ذریعے اسلامی نظام کے لئے ووٹ دیا لیکن پچاس برسوں سے وہ غریب دھوکا کھائے جا رہے ہیں۔

دراصل عوام الناس میں ایک معاشرے کی بنیادی اقدار موجود ہیں لیکن یہ خواص کا طبقہ ہے کہ جو منافقت اور ریاکاری کا شکار ہے جو ہمیشہ نعرہ بازی کرتا ہے اور غیر اسلامی نظام کو بچائے چلا جا رہا ہے ہمارے معاشرے کی ارتقائی تعمیر میں رکاوٹیں ہمیشہ ریاستی مشینری نے پیدا کی ہیں جس نے مختلف ہتھکنڈوں سے ایک سیدھے سادے اور اسلامی معاشرے کی تعمیر نہیں ہونے دی اور یہ ریاستی مشینری انگریز کے بنائے ہوئے اصولوں سے بندھی ہوئی ہے۔

جبرو استبداد اور آمریت کے خلاف جو تحریکیں چلیں وہ صرف چہرے بدلنے تک محدود رہیں گذشتہ بارہ سالوں میں جو انتخابات ہوئے اس میں چہرے ہی بدلے ہیں حالیہ انتخابات میں بھی چہرے ہی بدلے ہیں اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو وقتی مفادات سے ہٹ کر سوچ سکتے ہیں جو تاریخ کی پنہائیوں اور گہرائیوں میں جھانک سکتے ہیں جو ماضی حال اور مستقبل کو ایک تسلسل میں رکھ کر اپنے اردگرد کا جائزہ لے سکتے ہیں انہوں نے بھی پابندیوں اور دباؤ کا اپنی سوچ کے تحت جائزہ لے کر اپنے ہم وطنوں کو کچھ نہیں بتایا انہوں نے یا تو خاموشی اختیار کر لی یا پھر منافقت کی راہ پر گامزن ہو گئے۔

سیاسی جماعتیں اور رہنما وقتی طور پر ملکی فضا بدل سکتے ہیں لیکن معاشرے کو مستحکم بنانے والی تبدیلیوں کی تخلیق ، دانشور' فلاسفر اور علماء کیا کرتے ہیں ہمارے معاشرے میں سوچ کا تسلسل ختم ہو گیا ہے ایسے افراد یقیناً" موجود ہیں جو اپنے آپ کو عارضی' وقتی مصلحتوں اور مفادات سے بالاتر کر کے مسائل کو وقت کے جاری و ساری تسلسل میں رکھ کر سوچتے ہیں ان کی سوچ اگر عوام تک پہنچے تو معاشرے میں وحشت کی بجائے ایک مہذب رویہ جنم لے سکتا ہے عوام اپنے وطن اور اپنے دین کے لئے مثبت سوچ اور رویہ رکھتے ہیں جس کا اظہار انہوں نے متعدد موقعوں پر کیا ہے اور حال ہی میں وزیر اعظم نواز شریف کی "قرضہ اتارو ملک سنوارو" کی مہم میں کر رہے ہیں ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمارے دانشور مفکر اور سیاسی زعماء عوام کے مسائل اور نظام کی تبدیلی کے حوالے سے ایسے تجزیئے پیش کریں جو صرف اور صرف حقیقت پسندانہ ہوں فکری اور دینی روایات کے تسلسل میں ہوں جو سیاسی وابستگیوں سے آزاد ہر قسم کے تعصبات سے ماوراء ہوں۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت عوام میں جو بے حسی پائی جاتی ہے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ عوام کا شعور اب اتنا پختہ ہو چکا ہے کہ وہ اپنی اچھائی اور برائی سمجھنے لگے ہیں اور وہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ سیاسی جماعتیں اور رہنما انہیں استعمال کرتے ہیں اور استعمال

کرنے کے بعد انہیں اور ان کے مسائل کو فراموش کر دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہر الیکشن میں ووٹوں کے ٹرن آؤٹ میں کمی ہوتی چلی جا رہی ہے اور ایک محتاط اندازہ کے مطابق ستر فیصد رائے دھند گان ملک کی موجودہ سیاسی و دینی جماعتوں اور قیادتوں کو پسند نہیں کرتے وہ نظام کی تبدیلی چاہتے ہیں اب تو آپ کسی گاؤں میں جا کر عام دیہاتی سے گفتگو کر کے دیکھیں تو اس کے اندر سے آواز ہی یہ نکلتی ہے کہ ملک کو ایک امام خمینی کی ضرورت ہے یعنی ایک عام شہری بھی نظام میں انقلابی تبدیلی چاہتا ہے انتخابات کے نتائج کے بعد تو اب کوئی خواہ موجودہ حکمرانوں کا حامی ہے یا مخالف سب ایک بات پر متفق ہیں کہ اگر اب بھی حالات و واقعات کا جبر جاری رہا تو پھر خونی انقلاب ہی آئے گا۔

حالیہ انتخابات کے دوران ہی مولانا اکرم اعوان کی قیادت میں "تحریک تبدیلی نظام" کے نام سے ایک تنظیم قائم ہوئی ہے جس کا نعرہ ہے "نیا نظام اور نیا امام" میں نے اس تحریک کے منشور کا مطالعہ بھی کیا اور اس کے بعض اکابرین کی تقریریں بھی پڑھی ہیں اس تحریک کے قائد تسلسل کے ساتھ جاگیرداروں اور جاگیرداری نظام پر دل کھول کر برس رہے ہیں ان کے لہجے کا خلوص بتا رہا ہے کہ وہ نظام بدلنے کی جدوجہد کریں گے اور انہیں ذاتی طور پر اقتدار کی ہوس بھی نہیں اور وہ رب کی دھرتی پر رب کا نظام دیکھنا چاہتے ہیں لیکن رب کی دھرتی پر رب کا نظام لانے کے لئے تحریک تبدیلی نظام کی بجائے انہیں "تحریک نفاذ اسلام" بنا کر چلنا چاہئے اور ایک ایسا منشور دینا چاہئے جو جیتے جاگتے اسلام کا نمونہ ہو جس میں اسلامی سیاست و معیشت کا واضح پروگرام ہو عوام سرمایہ دارانہ جمہوریت سیکولر مارشل لاء سے لے کر اسلامی مارشل لاء تک کے تجربوں سے گزر چکے ہیں نظام مصطفیٰ کے لئے سینوں پر گولیاں کھا کر فریب بھی کھا چکے ہیں امریکی نیو ورلڈ آرڈر کے نفاذ کے عمل سے گذشتہ سارے برسوں سے گزر رہے ہیں مولانا اکرم اعوان کی آواز خانقاہی نظام چلانے والے اہل اللہ میں نصف صدی میں پہلی آواز ہے کاش تحریک تبدیلی نظام چلانے والے اس ملک کو کوئی سمت دے سکیں اور اس ملک کی شیطانی سیاست کے سسٹم کو رحمانی سیاست کے سسٹم میں بدلنے کے لئے کوئی کردار ادا کر سکیں لیکن میں پھر کہوں گا کہ ستر فیصد آبادی کو ملک کی موجودہ سیاسی جماعتوں اور قیادتوں پر اعتماد نہیں اور وہ نصف صدی سے چلنے والے نظام سیاست و معیشت سے بھی نجات چاہتے ہیں اور ایک تحریک یا جماعت کے متلاشی ہیں جو اللہ کے نظام سیاست و معیشت کو اس ملک میں نافذ کر سکے اور ملک کو خونی انقلاب سے بچا سکے پی پی پی کا کردار ختم ہو چکا اب وہ تاریخ کا حصہ بنی رہے گی جس کے پاس مجلس احرار اسلام کی طرح شاید کارکن تو رہ جائیں لیکن ووٹ بینک ختم ہو چکا۔ مسلم لیگ کے پاس آخری موقع ہے اس کی قیادت میں اگر جرات ہے تو وہ جاگیرداری نظام کو مٹا دے اور سودی نظام معیشت سے ملک کو نجات دلا دے اسی کا نام اسلامی نظام ہے اسلام بتدریج نافذ نہیں ہو سکتا قرآن کا نظام نازل بتدریج نہیں ہوا بلکہ نزول کے ساتھ ہی نافذ ہوا جو نازل ہوا وہ نافذ ہونے کے لئے تھا اب وقت نزول نہیں بلکہ وقت نفاذ ہے قائم وہی رہے گا جو نفاذ کرے گا ورنہ بات نہیں بنے گی یہ ممکن ہی نہیں کہ ورلڈ بنک اور آئی ایم ایف کا نظام بھی چلے اور اسلامی بینکاری کا نظام بھی ساتھ چلے دونوں ایک ساتھ چل سکتے ہی نہیں ایک خدا کا نظام جاری ہے تو ہی نظام کائنات چل رہا ہے وطن عزیز اللہ کی عطا ہے اسی لئے اللہ کا نظام چلایئے اگر ساتھ میں دنیا کے فرعون کا نظام بھی چلانا ہے تو خلل واقع ہو گا اور سب کچھ راکھ ہو جائے گا۔

"شکریہ روزنامہ وفاق"

طریقۂ دلائل

قرآن حکیم کی خصوصیت یہ ہے کہ اس [illegible] اپنے اندر متعدد پہلو رکھتے ہیں۔ اب یہ رب کریم کی مرضی کہ کس کی نگا [illegible] پہلوؤں سے آشنا کرتا ہے اور کون کون [illegible] بدار کس کو عطا کرتا ہے جس طرح کوئی شخص یہ دعوٰی نہیں کر سکتا کہ جو موتی میں نے سمندر کی تہوں سے نکال لیئے ہیں بس یہ آخری موتی تھے اب کوئی گوہر تہہ آب میں باقی نہیں رہا اسی

مولانا محمد اکرم اعوان

طرح قرآن حکیم کی اتھاہ اور لامحدود گہرائیوں میں کتنے کتنے قیمتی موتی کہاں کہاں چمک رہے ہیں کب تک کوئی چنتا چلا جائے گا تقسیم ہوتے چلے جائیں گے اس کی کوئی حدود [illegible] نہیں کی جا سکتی عموماً" ہوتا یہ ہے کہ جس مزاج کے لوگ ہوں وہ اپنے مزاج کے مطابق مفاہیم اخذ کرتے رہتے ہیں اور اس کے لئے ضروری ہے کہ کوئی مفہوم ارشادات نبوی علی صاحب الصلوٰۃ والسلام کی حدود کے باہر نہ جائے اس سے نہ ٹکرائے۔ مراد رسولؐ جو ہے اس حد کے اندر رہے اس سے ٹکرائے گا تو وہ قرآن کا مفہوم نہ ہو گا۔ بلکہ اسے آپ تحریف کہہ سکتے ہیں۔

سیاست دانوں کے لئے سیاسی اصول ہیں حکمرانوں کے لئے حکومت کے قواعد ہیں جوانوں کے لئے تعلقات کی حدود ہیں اور مبتلائے گناہ ہونے والوں کے لئے ایک لمحہ فکر یہ ہے ذرا رک کر وہ سوچ لیں کہ میں کیا کرنے لگا ہوں اور تصوف کے گوہر مقصود کی نشان دہی ہے اس میں۔ بہت سی باتیں ہیں منصف اور قاضی کے لئے انصاف اور حقیقت حال کو تلاش کرنے کے اشارے ملتے ہیں اس میں کہ بظاہر آدمی کی نگاہ میں کچھ ہوتا ہے اور واقعات کی اصلیت کچھ ہوتی ہے۔ تو فتوٰی دینے کے لئے یا رائے قائم کرنے کے لئے فیصلہ دینے کے لئے یا فیصلہ لینے کے لئے کسی بھی خبر کو فوراً" قبول کر لینا درست نہیں ہوتا۔

اسی طرح ایک عجیب کیفیت کا اظہار ہوتا ہے یہاں کہ عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسفؑ کو اپنی خلوت گاہ میں بند کر دیا دروازے بند کر دیئے کوئی نوکر کوئی خادم کوئی تیسرا انسان وہاں موجود نہیں تھا اور دعوت گناہ دی۔انہوں نے انکار کر دیا۔

اور قرآن کریم نے جو الفاظ نقل فرمائے ہیں وہ یہ ہیں **معاذ اللہ انہ ربی احسن مثوٰی**

کہ تیرا میاں جو ہے وہ تو میرا مربی اور محسن ہے اور اس نے مجھے حسن سلوک سے' اپنی شفقتوں سے' اپنی محبتوں سے نوازا ہے تو کیا اس کا صلہ میں یہ دوں کہ اس کی آبرو میں خیانت کروں! اور ایسے لوگ تو ظالم ہوتے

ہیں اور ظالم کبھی فلاح نہیں پاتا ظالم کبھی بہتری کو نہیں پہنچتا۔

یہ تھی وہ کیفیت جو ظاہر ہوئی اور الفاظ بنے اور عام آدمی نے جس نے سنا اس کے سامنے یہ وجہ آئی کہ یہ طریقہ مہانداری نہیں ہے اور احسان کے بدلے برائی کرنا نیکوں کا شعار نہیں ہے۔

جو کیفیت اندر تھی وہ رب جلیل نے ارشاد فرما دی کہ یہ احساس' یہ الفاظ' یہ ارادہ اور یہ دلائل حضرت یوسفؑ کو کہاں سے ملے اللہ کریم فرماتے ہیں

لقد ھمت بہ اس عورت نے تو گناہ کا ارادہ کر لیا اب یہاں زیادتی ہو جاتی ہے کہ "ھما بھا" کو جب ہم اس کے ساتھ ملا لیتے ہیں **لقد ھمت بہ وھم بھا** یوسف اور زلیخا برابر برابر ہو جاتے ہیں یہ درست نہیں ہے چونکہ اگر ھم بھا کو پیچھے ملایا جائے تو **ھم بھا لو لا ان رء' برھان ربہ** معانی کے اعتبار سے بھی اور اپنے اس محاورے کے اعتبار سے درست بنتا ہے اگر اس کے ساتھ سے **ولقد ھمت بہ و ھم بھا** کو علیحدہ کر دیں تو **لولا ان رء' برھان ربہ** کا کوئی مفہوم نہیں رہ جاتا۔

تو ارادۂ گناہ زلیخانے کر لیا اللہ کریم فرماتے ہیں اگر **برھان ربی** کو نہ دیکھ رہا ہوتا یوسف۔ تو وہ بھی گناہ کا ارادہ کر لیتا۔ یعنی صدور ضم جو ہے وہ پھر بھی ممکن نہ تھا لیکن یہ ممکن تھا کہ ان کے دل میں بھی گناہ کا ارادہ پیدا ہو جاتا۔ صدور ضم اس لئے ممکن نہ تھا کہ طبعاً" ہی اس قدر سلیم الفطرت انسان تھے جنہیں اللہ کریم نے تخلیق ہی نبوت کے لئے فرمایا تو تخلیقی طور پر مزاج ایسا تھا کہ اس سے گناہ کا صادر ہونا محال تھا لیکن گناہ کا ارادہ کرنا چونکہ شرعاً" گناہ نہیں ہوتا۔

یہ قانون ہے رب جلیل کا کہ آپ نیکی کا ارادہ کر لیں تو یہ نیکی ہے اور دس اجر کم از کم اس پر مرتب ہوتے ہیں اور جب نیکی پر عمل کریں تو اس پر کتنے اجر؟ اللہ کریم فرماتا ہے یہ اسکی مرضی اور آپ کے خلوص کی گہرائیوں پر اور آپ کے اس جذبے پر منحصر ہے اور اللہ شرف قبولیت عطا فرمائے لیکن جب گناہ کی طرف آئیں تو گناہ کا ارادہ کرنے سے گناہ نہیں لکھا جاتا بلکہ اگر اس ارادے کو چھوڑ دیا جائے اور اللہ سے رجوع کر لیا جائے توبہ کر لی جائے تو وہ رک جاتا ہے جو نیکی ہے اس پر ثواب لکھاجاتا ہے اور گناہ تب لکھا جاتا ہے جب اس پر عمل کیا جائے وہ صادر ہو جائے۔ اسی لئے اس قانون کو آپ دنیا میں بھی دیکھتے ہیں کہ کوئی شخص کسی کو قتل کرنے کا ارادہ دل میں لئے پھرتا ہے اس پر کوئی قانونی گرفت نہیں ہوتی اور کسی کو اس طرح سزا نہیں دی جا سکتی کہ اس کے دل میں یہ بات تھی کہ کبھی میں فلاں کو قتل کر دوں گا یا فلاں کا مال لوٹ لوں گا۔

تو اللہ کریم فرماتے ہیں کہ یوسفؑ بھی ارادہ فرما لیتے لیکن یہ بھی تب ممکن تھا جب ان کا دل تجلیات باری کو کسی لمحے دیکھ نہ رہا ہوتا۔ جس دل کی آنکھ وا ہو جو چشم بینا رکھتا ہو اور جس کے سامنے تجلیات باری ظاہر و باہر ہوں اور دلائل سمعی سے بڑھ کر دلائل ذوقی نے جسے جکڑ رکھا ہو بھلا گناہ کا ارادہ وہاں کیسے داخل ہو سکتا ہے۔

گناہ تو ہے جمال باری کی طرف پیٹھ کرنے کا نام۔ اللہ کے دروازے سے پھر جانے کا نام۔

تو جو صرف دروازے کی چوکھٹ کے حسن میں گم ہو وہ تو شاید کسی وقت اس سے تھک کر دوسری طرف بھی پھر سکتا ہے لیکن جو صاحب دو کے جمال پہ نگاہ جمائے ہوئے ہو بھلا اس کی نگاہ کیسے بھٹکے گی۔ بڑا فرق ہے نا دلائل سمعی اور دلائل ذوقی میں۔

دلائل سمعی کی حیثیت ہے جیسے آپ کسی شاہی محل کے شان و شوکت کو دیکھ کر اندازہ کر رہے ہوں کہ

اس میں کتنا کوئی عظیم الشان شخص بیٹھا ہو گا۔ وہ کیسا حسین و جمیل ہو گا وہ کتنا ذہین و فہیم ہو گا۔ اس کی باتیں کتنی قیمتی ہوں گی آخر اس میں کوئی کمال ہے کہ اتنی بڑی مملکت کی حکومت اللہ نے اسے عطا کر دی ہے اور اس کے دروازے پر اتنے پہرے ہیں۔ اتنے گھوڑے ہیں اتنا عالیشان محل ہے اتنے نوکر چاکر ہیں خدام و حشم ہیں نوکروں کی وردی دیکھو تو انسان کا عقل چکرا جاتا ہے۔ تو اندر حکمران ہے ان پردوں کے پیچھے پتہ نہیں وہ کتنی جلیل القدر شخصیت ہو گی۔ تو یہ دلائل سمعی کی حیثیت ہے۔ عین ممکن ہے کہ کسی لمحے آپ کو کوئی چھوٹی سی گاڑی آپ کو اتنی خوبصورت نظر آئے کہ دروازے کا حسن بھول کر آپ اسے دیکھنا شروع کر دیں کہ یہ موٹر بھی بہت خوبصورت ہے بڑی عجیب ہے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ تو دلائل سمعی میں یہ کمزوری ہوتی ہے اب دیکھیں اس موٹر اور اس محل کی قیمت کی کوئی برابری نہیں ہو سکتی لیکن وہ چھوٹی سی موٹر دیکھنے والے کی نگاہ کو محل سے اٹھا کر اپنے اوپر متوجہ کر سکتی ہے یہ دلائل سمعی کی حیثیت ایسے ہوتی ہے کہ بہت سارے دلائل رکھنے کے باوجود' سوچنے کے باوجود' سننے کے باوجود کسی وقت کوئی چھوٹا سا وسوسہ خوبصورت لگنے لگتا ہے اور آدمی اس کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

لیکن انبیاءؑ کے پاس دلائل سمعی نہیں ہوتے ان کی بنیاد' دین کی بنیاد' نبوت کی بنیاد ہی دلائل ذوقی پر استوار کی گئی ہے وہ براہ راست جمال باری کو دیکھ رہے ہوتے ہیں تو جب شہنشاہ سامنے ہو ایک موٹر کیا دنیا کی نعمتیں دوسری طرف آجائیں تو جسے مخاطبہ شاہی حاصل ہو وہ بات قطع کر کے اس طرف نہیں دیکھتا۔

تو اللہ کریم فرماتے ہیں یوسفؑ کا یہ فرما دینا کہ نہیں بھائی میرا وہ محسن ہے اور محسن کو اس طرح کا بدلہ نہیں دیا کرتے یہ انصاف اور شرافت سے بعید ہے اور ایسے لوگ کبھی اچھے انجام کو نہیں پہنچتے اس کے پیچھے بات کیا تھی فرمایا ان کی نگاہ تو جمال باری پہ جمی ہوئی تھی تو جو اثر دلائل ذوقی کا تھا جو نتیجہ تھا اس کو ارشاد فرما رہے ہیں اس سطح پر آکر جسے زلیخا بھی سمجھ سکے۔ آپ اگر یہ فرمائیں کہ زلیخا بی تجھے غلطی لگ رہی ہے تو حسین ہو گی تو جمیل ہو گی تو امیر ہو گی ساری باتیں ہوں گی تیرے لحات اور تیری جوانی بڑی لبھانے والی ہو گی لیکن جو ذات میری نگاہوں میں ہے جس جمال سے میں سیراب ہو رہا ہوں وہ خالق ہے تو مخلوق ہے بھلا مقابلہ کیا۔ خالق کے جمال سے نگاہ کو ہٹا کر مخلوق میں کون کھو سکتا ہے بھلا یہ ممکن کیسے ہے لیکن یہ بات زلیخا نہ سمجھ پاتی نہ وہ خالق سے آشنا تھی۔

نہ وہ جمال خالق سے' عظمت خالق سے' نہ عظمت نبوت سے' نہ نبی اور نبی کے رب کے تعلق سے واقف تھی تو جو اس کا مبلغ علم تھا جو بات وہ سمجھ سکتی تھی انبیاءؑ کی بات میں عظمت یہی ہوتی ہے کہ سننے والے کی استعداد کے مطابق ارشاد فرما دیتے ہیں بات حق ہوتی ہے اور اپنے سارے پہلو جو ہیں عظمت کے اپنے اندر لئے ہوئے ہوتی ہے لیکن فرماتے ہیں جیسے ارشاد ہوا **قولوا للناس علی قدر عقولھم (اوکما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)** لوگوں سے ایسی بات کرو جو ان کے فہم میں ان کے ذہن میں آجائے۔

ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ میری باتوں کو مت جھٹلاؤ میرے ارشادات کو مت جھٹلاؤ یا اس کے اردو میں معنی یوں بنتے ہیں کہ میری تکذیب نہ کرو مجھے جھوٹا نہ کہو" یا رسول اللہ یہ کس کی جرات ہو گی کہ تجھے ایسا کہے" فرمایا میری ایسی بات جو اپنے اندر ایک خاص عظمت رکھتی ہے کسی ایسے شخص کے سامنے بیان کرو گے جس میں اسے سمجھنے کی استعداد نہیں ہو گی تو وہ کہہ دے گا یہ بات غلط ہے اور اس کا یہ کہہ دینا کہ

گناہ کا ارادہ کرنے سے گناہ نہیں لکھا جاتا بلکہ اگر اس ارادے کو چھوڑ دیا جائے اور اللہ سے رجوع کر لیا جائے توبہ کر لی جائے تو وہ رک جاتا ہے جو نیکی ہے اس پر ثواب لکھا جاتا ہے اور گناہ تب لکھا جاتا ہے جب اس پر عمل کیا جائے وہ صادر ہو جائے۔

یہ تو غلط ہے یہ تو میری تکذیب ہوئی۔ چونکہ بات تو میری تھی لیکن اس تکذیب کا سبب وہ شخص ہو گا جو بات کو کسی نااہل کے سامنے نقل کر رہا ہوگا۔

یہ جو کہا جاتا ہے نا نبوت کا اظہار واجب ہے اور تصوف کا چھپانا واجب ہے یعنی نبوت کا اعلان کرنا ضروری ہے اور تصوف کی واردات کو چھپانا ضروری ہے اس کا مفہوم یہ ہے۔ یہ نہیں ہے کہ کسی کو اللہ کی دعوت ہی نہ دی جائے کسی کو ذکر الٰہی کی عظمت ہی نہ بتائی جائے کسی کو اس کام پر ہی نہ لگایا جائے یہ نہیں بات۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اسرار و رموز جو صوفی کو مشاہدہ قلب اور مشاہدہ باطنی نصیب ہونے کے بعد حاصل ہوتے ہیں ان کو ایسے لوگوں کے سامنے بیان کرے جو اس کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں ہر کس و ناکس کے سامنے ان کو ظاہر نہ کرتا پھرے کہ وہ اس کی تردید کریں گے اس کا انکار کریں گے اور اس انکار کا سبب وہ شخص ہو گا جو اسرار الٰہی کو نا اہلوں کے سامنے بیان کر رہا ہو گا۔

اس لئے مشاہدات و مکاشفات کو اپنے ہم سبق لوگوں کے سامنے یا ان لوگوں کے سامنے جو ان مکاشفات میں جن کی تربیت اس قدر ہو چکی ہے کہ وہ ان اسرار کو سمجھ سکیں بیان کرنے میں حرج نہیں ہو گا۔ لیکن ہر کس و ناکس کے سامنے بیان کرنے میں بہت زیادہ حرج ہوتا ہے اور بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ جب وہ اس کی تکذیب کرتے ہیں تو اس کے جرم میں اس صاحب سے وہ کیفیات سلب کر لی جاتی ہیں چونکہ یہ اسرار الٰہی جو ہیں یہ خزینہ رحمت کے بڑے قیمتی جواہرات ہیں انہیں گلیوں میں پھینکنے کے لئے نہیں دیا جاتا۔ کوئی بھی ایسا شخص جو زر و جواہر کو گلی میں پھینک دے اس سے بچے کھیلتے پھریں اور اسے ٹھوکریں لگاتے پھریں وہ زر و جواہر رکھنے کا اہل ہی نہیں ہوتا اور اسے کوئی نہیں دیتا۔ تو اسرار الٰہی کو اگر ہر کس و ناکس کے سامنے عیاں کر دیا۔ اگر یوسفؑ یہ کہہ دیتے زلیخا میری نگاہ تو جمال باری پر ہے میں تیری بات کیسے سنوں۔ تو اس بات کو چھوڑ دیں زلیخا پہلے اس بات کا انکار کرتی کہ بھلا تجھے خدا کہاں سے نظر آ رہا ہے میں بھی تیرے ساتھ ہوں مجھے تو نظر نہیں آ رہا وہ کہہ اٹھتی معاذ اللہ کیوں جھوٹ بول رہے ہو وہ پہلے والی بات رہ جاتی اور گناہ کے اندر ایک نیا گناہ شروع ہو جاتا۔

لیکن کتنے عظیم پیرائے میں وہ جو کیفیت مشاہدہ باطنی کی بدولت نصیب ہوئی تھی اس کیفیت کا نتیجہ یہ تھا کہ آپ کے قلب مبارک میں گناہ کا ارادہ بھی پیدا نہ ہوا۔ لیکن کتنے خوبصورت لفظوں میں اسے ڈھال کر جو لفظ اپنی جگہ ایک حق کی حیثیت رکھتے ہیں اور وہ بھی درست ہیں اور برحق ہیں ان کا سہارا لے کر عمل اس کیفیت پر کر رہے ہیں اس لئے کہ زلیخا کے سمجھنے کی استعداد اتنی ہے۔

اور اسے فرماتے ہیں اری نیک بخت دیکھ تو سہی کہ تیرے خاوند نے میرے ساتھ کتنا احسان کیا کتنے پیار سے مجھے اپنے گھر رکھا ہے کتنی شفقتیں مجھ پر نچھاور کرتا ہے تو کیا اس کا حق اس کا بدلہ یہی ہے کہ وہ مجھ سے پیار کرے مجھ سے محبت کرے اور میں اس کی آبرو برباد کر دوں۔ یہ کیسے ممکن ہے **انہ ربی احسن مثوٰی** وہ

زمیرا ماں ہے اور مجھے اس نے اتنا پیار اتنی شفقت دی ہے کہ میں اس کی نوازشوں کی جو قدر کر رہا ہوں اس کا کوئی جواب نہیں ہے تو بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ میں اس کے احسان کا بدلہ اس کے ساتھ برائی کر کے دوں اور ایسے لوگ تو بڑے ظالم ہوتے ہیں جو اس طرح کا بدلہ دیں اور ظالم کبھی فلاح نہیں پاتا۔

بات یہ بھی حق تھی لیکن یہ بات اللہ کریم فرماتے ہیں تب پیدا ہوئی جب یوسف کو مشاہدہ باری نصیب تھا اس طرف سے ان کے دل کی نگاہ ہٹتی تو کسی اور طرف ٹھہرتی تو ان کے لئے زلیخا کا ہونا نہ ہونا اس کے حسن خوبصورتی اسکی امارت و غربت اس کی جوانی یا بڑھاپا اس کا کوئی اثر وہاں نہ تھا چونکہ وہاں تو براہ راست تجلیات مترشح ہو رہی تھیں۔

لیکن جب بات کی تو اسی انداز سے کی جسے زلیخا سمجھ سکتی تھی۔ صوفی کے لئے اللہ کریم نے دلائل ذوقی کو سمجھنا ان پر عمل کرنا ان کے نتائج کو دلائل سمعی کے مطابق ڈھالنے کا انداز بیان فرما دیا ہے کہ عام آدمی سے بات اس طرح نہ کرو کہ میں صبح مراقبے میں مسجد نبویؐ میں حاضر ہوتا ہوں میں تمہاری بات سنوں تو صبح مجھے حضورؐ کے سامنے پیش ہوتے ہوئے حیا آئے گی وہ اس بات کو چھوڑ دے گا اور آپ کی بات کی تردید کے درپے ہوجائے گا۔ اسے یہ کہہ دو کہ بھلا جس نے حضورؐ کا کلمہ پڑھا وہ کبھی حضورؐ کی سنت اور حضورؐ کی منشا کے خلاف کاموں میں ملوث ہو سکتا ہے؟ مجھے یہ زیب نہیں دیتا حیا آتی ہے بھلا کیسے کروں یہ کام۔یہاں تک وہ سمجھ لے گا۔ یعنی اسرار الٰہیہ کی حفاظت بھی کی جائے اور اس طرح سے کی جائے کہ کبھی کوئی بات کسی نااہل کے سپرد نہ کی جائے **قولو للناس علی قدر عقولھم** جتنا کسی میں سمجھنے کی استعداد ہے اس کے مطابق اس سے بات کی جائے۔

ایک دفعہ حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے ماں باپ کو گالیاں مت دو عرض کی یا رسول اللہ ایسا بد بخت کون ہوگا جو اپنے والدین کو گالیاں دے گا فرمایا جب تم کسی کی والدہ کو گالی دو گے تو جواب میں وہ تمہاری والدہ کو دے گا۔ تو تم نے خود ہی گویا اپنی والدہ کو گالی دی اگر تم اس کی ماں کو گالی نہ دیتے تو جواباً" وہ تمہارے والدین کو گالی نہ دیتا تو تم نے ابتدا کر کے کسی کے والدین کو گالی دے کر کسی کے والدین کو ہی نہیں دی اپنے والدین کو دی ہے۔

اس طرح کوئی کسی عقیدے پر بھی ہو شیعہ ہو مرزائی ہو کوئی بھی ہو لیکن اس کے ساتھ بات کرنے کی ایک حد ہے احقاق حق کی ایک حد ہے یہ درست نہیں ہے کہ ان کے جو پیش رو یا جو ان کے نزدیک بڑے لوگ ہیں آپ انہیں گالی دینا' مسجد میں کھڑے ہو کر کافر کافر کہنا شروع کر دیں کیا مناسب طریقہ یہ نہیں ہے کہ ہم اسلام کی حدود بیان کریں بجائے کفر کا حدود اربعہ بیان کرنے کا۔ ہم یہ بھی تو کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کی بنیادی ضروریات میں سے ہے کہ عظمت صحابہؓ کا اقرار کیا جائے بجائے یہ کہنے کے کہ عظمت صحابہؓ کا منکر کافر ہے مفہوم دونوں کا ایک ہے لیکن دوسرے کو کافر کہنے کے بجائے دوسرے کی ضرورت اگر بیان کر دیں تو ممکن ہے وہ جو کفر میں مبتلا ہے ممکن ہے آپ کی بات پر غور کرنے لگ جائے کہ اس نے کیا بات کہی ہے مسلمان ہونے کے لئے کیا کیا ضروری ہے تو جب ہم کسی کو چھوٹتے ہی کافر کہہ دیتے ہیں تو وہ ہم سے کسی بھلائی کی توقع نہیں رکھتا وہ ہم سے فارغ ہو جاتا ہے اس نے تو مجھے کفر میں دھکیل دیا اب اس کی بات سننے کا کیا فائدہ۔

تو اس طرح جب ہم باطل فرقوں کو بلند آواز سے اور نعرہ بازی کر کے کافر کافر اور مشرک کہتے ہیں تو جواباً" وہ ہم سے اصلاح لینے کے اور بجائے ہم سے عقائد اسلامی سیکھنے کے وہ ہمیں کافر کافر کہنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور

اس کا سبب ہماری نادانی بنتی ہے۔

تو یہاں کتنی کتنی قیمتی باتیں اور کتنی کتنی عظیم باتیں اللہ کریم نے ان چند الفاظ میں سمو دی ہیں۔ تو سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اپنے دل کو زندہ کرو جب دل بیدار ہو گا اس میں تجلیات باری ہونگی تو ظاہری دلائل اور سمعی دلائل بیان کرنے کی قوت و استعداد بھی اس میں آجائے گی یہ شعور بھی آجائے گا اور "نتیجتاً" جو کچھ ہونا چاہئے رفعت و پاکبازی اور نیکی اور اتباع اللہ اور اللہ کے رسول کے احکامات کا بھی حاصل ہو جائے گا اور مقصد بھی حاصل ہو جائے گا کیفیات بھی حاصل ہوں گی اور دلائل سمعی بھی سمجھنے کی قوت پیدا ہو جائے گی اور اس کو شرح صدر کہا جاتا ہے جو انبیاءؑ کو تخلیقی طور پر وہبی طور پر عطا کیا جاتا ہے اور ولایت یہ ہے کہ وہ کمالات جو نبیوں اور رسولوں کو وہبی طور پر عطا ہوتے ہیں وہ ان سے اپنی حیثیت کے مطابق حاصل کیے جائیں۔ جو ہماری حیثیت ہے اس کے مطابق۔

اب دیکھیں سورج بھی چمک رہا ہے اور اس کے سامنے آئینہ بھی چمکتا ہے لیکن سورج نے تو ایک جہان کو روشن کر رکھا ہے آئینے کی روشنی بڑے سے بڑا نقطہ بنا دے گی دیوار پر۔ لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ آئینہ جو ہے وہ سورج کی روشنی سے محروم رہا اپنی حیثیت کے مطابق اپنے اس دائرہ کار میں وہ بھی ایک چھوٹا سا سورج بن گیا۔ اس طرح جمال نبویؐ سے ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق علم بھی، نیکی بھی، ورع بھی، تقویٰ بھی حاصل کر سکتا ہے محروم نہیں رہتا دامان رحمت کو تھامنے والا۔ یہ اور بات ہے کہ اپنا اپنا ظرف ہوتا ہے اور اس کے مطابق ہر شخص اس چشمہ صافی سے سیراب ہوتا ہے۔

تو جب یہ دلائل ذوقی اور جب یہ کیفیات دل کے اندر در آتی ہیں تو "نتیجتاً" ایک بات ہوتی ہے کہ گناہ سے نفرت ہو جاتی ہے گناہ سے اجتناب ہو جاتا ہے نیکی سے محبت ہو جاتی ہے اور دوسرا یہ ہوتا ہے کہ دلائل سمعی یعنی وہ باتیں جو زبان سے بیان کی جاسکتی ہیں یا کانوں سے سنی جا سکتی ہیں وہ دلائل وہ معلومات اور وہ علم جو ہے وہ بھی آنے لگتا ہے انسان کے سینے کے اندر اور دنیوی امور میں اور دنیاداری کے معاملات کرنے کی بھی اسے سمجھ آجاتی ہے کہ یہ کام کس طرح سے کیا جانا چاہیے۔

یعنی تصوف کا مقصد یہ ہے ماحاصل یہ ہے کہ کمالات نبوت میں سے اپنی حیثیت کے مطابق برکات کو حاصل کیا جائے اور امور دنیا میں حسن ترتیب آجائے اور تعلقات جو لوگوں کے ساتھ ہیں ان میں بھی ایک حسن آجائے کہ کسی عالم سے بات کرنے کا ڈھنگ کیا ہے اور کسی عامی سے بات کرنے کا ڈھنگ کیا ہے کافر سے بات کیسے کرنی ہے اور کسی مخلص اور ہم سبق سے بات کس طرح سے کرنی ہے یہ سارے انداز اپنی اپنی جگہ پر آ جائیں۔

> کوئی کسی عقیدے پر بھی ہو۔ شیعہ ہو، مرزائی ہو کوئی بھی ہو لیکن اس کے ساتھ بات کرنے کی ایک حد ہے احقاق حق کی ایک حد ہے یہ درست نہیں ہے کہ ان کے جو پیش رو یا جو ان کے نزدیک بڑے لوگ ہیں آپ انہیں گالیاں دینا، مسجد میں کھڑے ہو کر کافر کہنا شروع کر دیں کیا مناسب طریقہ یہ نہیں ہے کہ ہم اسلام کی حدود بیان کریں بجائے کفر کا حدود اربعہ بیان کرنے کا ہم یہ بھی تو کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کی بنیادی ضروریات میں سے ہے کہ عظمت صحابہ کا اقرار کیا جائے۔ بجائے یہ کہنے کے عظمت صحابہ کا منکر کافر ہے۔ مفہوم دونوں کا ایک ہے ممکن ہے آپ کی باتوں پر وہ غور کرنے لگ جائے جب ہم چھوٹتے ہی کسی کو کافر کہہ دیتے ہیں تو وہ ہم سے بھلائی کی توقع نہیں رکھتا۔ وہ ہم سے فارغ ہو جاتا ہے کہ اس نے تو مجھے کفر میں دھکیل دیا اب اس کی بات سننے کا کیا فائدہ۔

مسلمان کے کردار میں منافقت

مولانا محمد اکرم اعوان

اسلام نے بنیادی طور پر انسانوں کو صرف دو حصوں میں تقسیم کیا ہے اسلام کی تقسیم ممالک کی سرحدوں' زبانوں' انسانوں کی رنگت' امارت و غربت یا کسی بھی دنیوی اعتبار سے نہیں ہے بلکہ اسلام کی تقسیم ایمان اور کفر کے اعتبار سے ہے انسانوں کا ایک طبقہ جسے ایمان نصیب ہے وہ جہاں کہیں بھی ہے وہ سب ایک جماعت' ایک فریق' ایک گروہ' ایک ٹولہ ہے اور جو ایمان سے خالی ہیں یا کافر ہیں وہ ایک جماعت یا ایک گروہ ہیں۔ یہی دو قسمیں انسانوں کی اسلام کے نزدیک ہیں اب دونوں میں مدارج ہیں۔

ایک طرف مومنین میں ایمان کی کیفیات بڑھتی رہتی ہیں۔اعمال میں لوگ ایک دوسرے پر محنت کرنے میں سبقت لے جاتے ہیں قرب الٰہی میں آگے نکل جاتے ہیں۔کفر کے بھی بے شمار درجے ہیں۔ بعض کیفیات کفر میں کم ہوتے ہیں بعض شدید ہوتے ہیں۔بعض عملی زندگی میں کافر تو ہوتے ہیں لیکن اعمال میں کم برائی اختیار کرتے ہیں۔بعض بہت زیادہ ظلم ' بہت زیادہ برائی اختیار کرتے ہیں۔اس طرح سے دونوں گروہوں کو دونوں جماعتوں کو بے شمار مدارج میں تقسیم کیا جا سکتا ہے لیکن جس طرح مومنین میں ایک خاص طبقہ ممتاز ہوتا ہے۔ جنہیں ہم ولی اللہ یا اللہ کے مقرب بندے خیال کرتے ہیں اسی طرح کفر کا درجہ ہے جو کفار میں کفر میں بہت آگے نکل جاتا ہے اسے منافق کہتے ہیں۔

منافق ایسا کافر ہوتا ہے جو اپنے آپ کو ایماندار ظاہر کرتا ہے لیکن ایمان اس میں ہوتا نہیں دنیوی فوائد کے لئے دنیوی چیزوں کے حصول کے لئے اسلامی ریاست میں یا اسلامی طاقتوں کے سامنے یا اسے نظر آتا ہے کہ یہاں مسلمان بن کر رہنے سے مجھے دنیوی فوائد ہوں گے تو اس غرض کے لئے وہ اپنے مسلمان ہونے کا ڈھنڈورا پیٹتا رہتا ہے حقیقتاً" اس کے دل میں اسلام سے دشمنی ہی ہوتی ہے اور یہ کفر کی انتہائی گھٹیا اور سب سے شدید ترین قسم ہوتی ہے۔ اب عجیب بات یہ ہے کہ مومنین کے جو بعض کردار ہیں ایمان رکھتے ہوئے بعض امور ایسے ہوتے ہیں جو ایمان کے ساتھ زیب نہیں دیتے بلکہ وہ خصوصیت کافر یا منافق کی ہوتی ہے اور اس کے متعلق حدیث شریف میں فرما دیا گیا ہے جیسے نماز کے بارے

ارشاد ہوتا ہے۔

من ترک الصلوٰۃ متعمدا" فقد کفر(او کما قال رسول اللہ صلی علیہ وسلم) جس شخص نے جان بوجھ کر بغیر کسی عذر کے نماز ترک کر دی' چھوڑ دی اس نے کفر کیا۔ اب اجماعی عقیدہ یہ ہے منکر صلوٰۃ کافر ہے تارک صلوٰۃ کافر نہیں۔ یعنی اگر نماز کا انکار کر دے تو کفر ہے لیکن انکار نہ کرے اور عمل نہ کرے' پڑھتا نہ ہو' یہ فسق ہے'گناہ ہے لیکن حدیث شریف میں جو ارشاد ہوتا ہے کہ اس نے کفر کیا تو اس سے مراد یہ ہے کہ اس نے ایسا کام کیا جو کفر کا حصہ تھا جو کافروں کو زیب دیتا تھا اس نے مومن رہتے ہوئے ایسی خصوصیت اپنالی جو کافر کی تھی یہ۔نہیں کہ وہ کافر ہو گیا کافر ہونے کے لئے تو اگر وہ انکار کرے گا تو کافر ہو جائے گا۔ انکار نہیں کرتا اس بات کا اقرار کرتا ہے۔ یہ اللہ کا حکم ہے فرض ہے ضروری ہے لیکن ادا نہیں کرتا تو گناہ گار ہے لیکن یہ ایسا گناہ ہے جو کافر کی امتیازی خصوصیات میں سے تھا اس نے مومن رہتے ہوئے ایک عادت کافروں جیسی اپنا لی۔

اسی طرح بعض امور پر نبی کریمؐ نے نفاق کی وعید ارشاد فرمائی ہے مثلاً" جھوٹ بولنا یا بد کلامی کرنا یا بد دیانتی کرنا تو فرمایا جس میں یہ تین عادتیں جمع ہو جائیں اس کے نفاق میں کوئی شک نہیں یا وہ منافق ہو گیا اس طرح کا مفہوم ہے تو اس سے منافق تو حقیقتاً" وہ تب ہی ہو گا جب اسکے دل میں سے ایمان اٹھ جائے گا یقین اٹھ جائے گا اگر ان چیزوں کو وہ خود بھی خیال کرتا ہے کہ یہ برے کام ہیں شرعاً" جائز نہیں ہیں لیکن ان پر عمل کرتا ہے تو وہ گناہ گار ہو گا حالانکہ منافق تو کفر کی بد ترین قسم ہے لیکن مسلمان ہوتے ہوئے اس نے وہ گناہ اپنایا جو اسلام کے ساتھ نہیں ' نفاق کے ساتھ جوڑ کھاتا تھا۔ جو نفاق کا حصہ تھا۔ اس طرح بعض کافر کافر رہتے ہوئے بعض ایسے اعمال اختیار کر لیتے ہیں جو ایمان کے ساتھ ہونے چاہئیں۔

مثلاً" آپ نے دیکھا ہو گا تقسیم ملک سے پہلے ہمارے اپنے ملک میں جب کافر مسلمان اکٹھے رہتے تھے تو بعض کفار نے لوگوں کی سہولت کے لئے سرائیں بنوا دیں ہسپتال بنا دیئے کہیں پانی کا انتظام کر دیا عام آدمیوں کے فائدے کے لئے ' یہ تو ایک اچھی بات تھی لیکن اس سے وہ مومن نہیں ہو گئے ایک کام ایسا کر دیا جو ایمان کے ساتھ زیب دیتا ہے مومنوں کو کرنا چاہئے تھا تو کافر اگر کوئی ایسا عمل کرتا ہے جو ایمان کے ساتھ میل کھاتا ہے تو اسے اس کا فائدہ دنیا میں لوٹا دیا جاتا ہے اس کی وجہ ہوتی ہے کہ وہ کرتا ہی دنیوی فائدے کے لئے ہے یہ نہیں کہ اللہ کریم اس سے زیادتی کرتے ہیں اسے دنیا میں دے کر ٹرخا دیا جاتا ہے بات یہ ہے کہ آخرت پر' اللہ پر اور اخروی اجر پر تو اس کا ایمان ہی نہیں ہوتا۔ اگر ایمان ہوتا تو مومن ہوتا کافر کیوں ہوتا تو جس کا جس وقت کو وہ مانتا ہی نہیں اس کے لئے وہ کام کیوں کرے گا لہٰذا اگر وہ کوئی بھلا بھی کرتا ہے تو کسی نہ کسی دنیوی فائدہ حاصل کرنے کے لئے کرتا ہے کسی نہ کسی دنیوی نقصان سے' بیماری سے بچنے کے لئے کرتا ہے۔

اور اللہ ایسے کریم ہیں کہ کافر بھی جو کام مومنوں جیسا کرتا ہے اسے ضائع نہیں فرماتے کیونکہ وہ کرتا ہی دنیا کے لئے ہے اس لئے اسے اس کا بدلہ دنیا میں دے دیا جاتا ہے اور مومن سے جو کام کافرانہ سرزد ہوتے ہیں یا منافقانہ سرزد ہوتے ہیں اگر ان سے توبہ نصیب نہ ہو تو خطرہ یہ ہوتا ہے کہ ان کا مسلسل بڑھتے رہنا سارے دل کو سیاہ نہ کر دے۔

نبی رحمتؐ فرماتے ہیں کہ آدمی جب ایک برائی

کرتا ہے تو اس کے دل پر سیاہ داغ پیدا ہو جاتا ہے اگر توبہ نہیں کرتا اسی کو دہراتا ہے اسی جیسی اور کوئی برائی اختیار کرتا ہے تو اس کے ساتھ سیاہی بڑھ جاتی ہے اگر اس عمل کو مسلسل اختیار کیا جائے تو ایک وقت ایسا آتا ہے جب دل میں ساری سیاہی ہی سیاہی بھر جاتی ہے اگر خدانخواستہ ایسی نوبت آجائے تو پھر نور ایمان سلب ہو جاتا ہے اور آدمی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے آپ نے دیکھا ہو گا کہ آج کل کے فتنوں میں ایک فتنہ یہ بھی ہے کہ لوگ پیدا مسلمان والدین کے گھروں میں ہوتے ہیں اور مرتے کافر ہو کر ہیں مختلف عقائد میں مختلف نظریات میں مختلف گروہوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں باطل عقائد اپنا لیتے ہیں باطل نظریات اپنا لیتے ہیں کردار غلط اپنا لیتے ہیں اور کافر ہو کر مرتے ہیں اس کی وجہ یہی ہوتی ہے اسی بنیادی بات کو اللہ کریم نے فرمایا: لوگ یہ کوشش کرتے ہیں ہر آدمی یہ چاہتا ہے جو اسلام کا دعویٰ رکھتا ہو کہ وہ دوسرے مسلمانوں کو اپنے خلاف خفا نہ ہونے دے خواہ اس کا عمل کیسا بھی ہو لیکن اپنے آپ کو اسلام کا خیر خواہ' مسلمانوں کا خیر خواہ یا اپنے آپ کو مسلمان ثابت کرنے کے لئے۔

یحلفون باللہ لکم لیرضو کم۔ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں صرف اس لئے کہ تمہیں خوش رکھ سکیں تم ان سے راضی رہو۔ آپ نے ایک تجربہ دیکھا ہو گا میں نے بھی بارہا زندگی میں دیکھا ہے بعض لوگ ایک کام کرتے ہیں اور جانتے ہیں یہ شرعاً" جائز نہیں مثلاً" کسی نے طلاق دے دی بیوی کو' اب وہ سمجھتا ہے' جانتا ہے میں نے طلاق دے دی لیکن کوئی نہ کوئی اس میں جھوٹ بول کر' کوئی غلط گواہی دے کر پھر اس کا جواز علماء سے حاصل کرنا چاہتا ہے کسی مولوی کو پیسے دے کر فتویٰ خریدتا ہے کوئی نہ کوئی حیلہ کرتا ہے صرف اس لئے کہ اس کے اردگرد جو مسلمان بستے ہیں وہ خفا نہ ہوں وہ سمجھیں کہ اس نے جو کچھ کیا ہے جائز ہی کیا ہے حالانکہ وہ خود دل سے سمجھ رہا ہوتا ہے کہ جو کچھ وہ کر رہا ہے وہ غلط ہے یعنی جب ایک آدمی فتویٰ جواز کیلئے خرید رہا ہے پیسے دے کر یا غلط شہادت مہیا کر کے تو وہ نہیں سمجھتا کہ وہ ظلم کر رہا ہے؟ اللہ کریم تو اصل حقائق کو جانتے ہیں نتیجہ تو اس پر ہوگا جو حق ہے تو یہ جو فتویٰ خریدا جاتا ہے اس سے مراد تو اردگرد بسنے والے مسلمانوں کو خوش رکھنا ہوتا ہے کہ مجھ پر اعتراض نہ کریں یہ خفا نہ ہوں یہ میرے راستے میں کوئی تکلیف پیدا نہ کریں اسی طرح کے بے شمار کام ہیں۔ فرمایا لوگ یہ کوشش کرتے ہیں لوگ یہ حیلہ کرتے ہیں اس پر زور لگا دیتے ہیں کہ ان سے مسلمان خوش رہیں اردگرد کے لوگ' رشتہ دار' برادری' دوست احباب یا ماحول جس میں وہ رہتے ہیں وہ ان پر طعن نہ کریں وہ ان سے خفا نہ ہوں سمجھتا تو یہ چاہیے۔

واللہ و رسولہ احق ان یرضوہ۔ اللہ کو اور اللہ کے رسول کو یہ زیادہ حق حاصل ہے کہ انہیں راضی رکھا جائے اصل حق تو یہ ہے کہ اگر اللہ کی عظمت کے ساتھ ایمان ہے رسولؐ کی رسالت پہ ایمان ہے تو ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس میں اللہ کی رضا ہو اللہ کے رسول کی رضا ہو لوگ اس سے ناراض ہوں گے تو کیا بگڑے گا۔ کیا لوگوں نے میدان حشر میں اجر دینا ہے؟ لوگوں کے سامنے ہمیں جواب دینا ہے؟ لوگوں سے ہمیں کچھ لینا ہے؟ نہیں جواب تو اللہ کریم کی بارگاہ میں دینا ہے تو تقاضائے ایمان یہ ہے کہ اپنے کردار میں اللہ کی رضا کو جو رسولؐ کی رضا مندی پر منحصر ہے اسے اختیار کیا جائے۔

ان کا نوا مؤمنین۔ اگر ایمان ہے۔ ایمان کا تقاضا ہے اور اگر اس کی پرواہ نہیں ہے کہ اللہ راضی رہے یا نہ رہے یا حضورؐ کے حکم کے مطابق ہے کم از کم

لوگ مجھ پر طعن نہ کریں تو فرمایا یہ ایمان کی کمی کی دلیل ہے اس میں خطرہ یہ ہے کہ شاید ایمان ایسے آدمی میں ہے بھی یا نہیں چونکہ ایک کام کو اللہ نے منع کر دیا رسولؐ نے منع کر دیا اب ایک ہے کہ اسے برا سمجھتے ہوئے اس پر عمل کرتا ہے یہ تو صفت ہے دوسرا یہ ہے کہ اس کا جواز تلاش کرتا ہے اور کہتا ہے نہیں یہ صحیح ہے یہی جس طرح ہم فتوے خریدتے ہیں اللہ کریم فرماتے ہیں یہ تو اللہ اور اللہ کے رسول سے مقابلہ کرنے والی بات ہے اللہ نے اطلاع دے دی حضورؐ نے فیصلہ دے دیا کہ یہ کام غلط ہے اب وہ مختلف حیلے تلاش کر کے آپ لوگوں کے سامنے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ صحیح ہے۔ تو فرمایا یہ جان لینا چاہیئے کہ جو بھی اللہ سے مقابلہ شروع کر دے۔

اللہ سے مقابلہ کیا ہو گا؟ رسولؐ کے احکام کے مقابلے میں آپؐ کے ارشادات کے مقابلے میں مختلف حیلوں سے جن چیزوں سے حضورؐ نے روک دیا ہے انہیں اختیار کرنا یا جن کا حضورؐ نے حکم دے دیا ہے اختیار کرنے کا' انہیں چھوڑ دینا۔ اور اسی چھوڑ دینے کی دو صورتیں ہیں اختیار کرنے کی بھی دو صورتیں ہیں۔

جن سے حضورؐ نے منع فرمایا انہیں آدمی دو صورتوں میں اختیار کرتا ہے ایک اس پر عمل کر لیتا ہے لیکن وہ کہتا ہے میں نے برا کیا میں نے خطا کی حق وہ ہے جو حضورؐ نے فرمایا : یہ گناہ ہے کفر نہیں۔ ایک اس کے لئے جواز تلاش کرتا ہے مختلف حیلے اختیار کر کے فتویٰ خریدتا ہے یا لوگوں کو یقین دلاتا ہے میں جو کر رہا ہوں یہ حق ہے۔ یہ کفر ہے۔ حتیٰ کہ چھوٹی چھوٹی باتیں بھی انسان کو نور ایمان سے خالی کر دیتی ہیں۔ مثلاً" ہم بددیانتی کر کے کسی سے رقم لے لیتے ہیں کسی کا ناجائز مال لے لیتے ہیں اور پھر اسے حلال بھی ثابت کرتے ہیں لے لینا گناہ تھا اسے حلال ثابت کرنا کفر ہو گیا۔ حرام کو حلال ثابت کرنے کے لئے کوشش کرنا یہ کفر ہو گیا یہ ایک مقابلہ آ گیا اللہ کے احکام سے اللہ کی شریعت سے' حضورؐ کے احکام سے۔ حتیٰ کہ اس حد تک فقہاء نے تشریح کی ہے کہ کوئی کسی کا مرغ چرا لیتا ہے اسے اگر وہ تکبیر پڑھ کے ذبح کرتا ہے تو کافر ہو جائے گا مرغ چوری کرنا حرام ہے لیکن حرام کو حلال بنانا کفر ہے۔ بظاہر یہ معمولی سی بات ہے جو بھی کسی کا مرغ یا کبوتر پکڑے گا تو وہ بغیر تکبیر کے تو نہیں کھائے گا وہ سمجھے گا تکبیر پڑھوں گا حلال ہو جائے گا۔ لیکن وہ شرعاً" حرام ہے وہ تو چوری کا ہے وہ حلال کیسے ہو گا۔ اب اس نے تکبیر پڑھی اور عقیدہ یا نظریہ یہ رکھا کہ اس نے جو اصل میں حرام تھا تکبیر پڑھ کر اس نے حلال کر لیا حرام کو حلال سمجھنا کفر ہے خواہ وہ ایک مرغ ہو ایک بیٹر ہو یا ایک کروڑ روپیہ ہو۔ جرم تو برابر ہے کہ اس نے حرام کو حلال سمجھا' حرام کو حلال سمجھنے کی کوشش کی۔ اب بظاہر یہ بالکل چھوٹی سی بات ہے اسے کوئی باور بھی نہیں کرتا لیکن حقیقتاً" یہ کفر ہے فقہ کی ساری کتابوں میں اس کی تشریح موجود ہے کہ چوری کا مرغ ہی کھانا ہے تو پھر اسے حرام ہی کھاؤ کیونکہ وہ حرام ہی ہے کم از کم حرام کھاؤ اس عقیدے کے ساتھ کہ میں حرام کھا رہا ہوں تو گناہ ہو گا۔ اسے حلال سمجھنے کی کوشش کرو تو کافر ہو جاؤ گے۔ یہ بات صرف مرغ میں نہیں ہے یہ ہمارے روزمرہ کے سارے معاملات میں ہے مثلاً" ایک چیز دس روپے کی ہے ہم دوسرے کو قسم دیتے ہیں۔ کہ یہ بیس کی ہے ہم نے دس زائد دے دیئے۔ اب اگر اس دس کو ہم حلال سمجھتے ہیں۔ دھوکے سے لیا تو کفر ہو گا۔ یہ سمجھتے ہیں کہ میں نے ظلم کیا یہ ہے تو حرام لیکن میں کھا رہوں۔ تو گناہ ہو گا اور گناہ کا اقرار کر کے اس پر عمل کرنا انسان کے لئے مشکل ہو جاتا ہے وہ چھوڑ دیتا ہے اسے ایک بار کرے گا دوبار کرے گا چار بار کرے گا چھوڑ دے گا یہ جو گناہ پیشہ بن جاتا ہے اس کے

پیچھے بات یہی ہوتی ہے کہ آدمی اس کے لئے کوئی نہ کوئی جواز تلاش کر لیتا ہے اس کے لئے کوئی نہ کوئی بہانہ حلت کا بنا لیتا ہے تو فرمایا یہ قانون یاد رکھو۔

الم یعلموا۔ کیا لوگوں میں اتنی عقل نہیں ہے اتنا نہیں سمجھتے یہ سادہ سی بات ہے **انہ من یحاد داللہ** جس نے اللہ سے مقابلہ شروع کر دیا۔ اللہ کریم ایک چیز کو حرام کہتے ہیں وہ اسے حلال ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے تو ایک کام کو اللہ نے حلال کہا وہ اسے حرام ثابت کرنے کے لئے زور لگا رہا ہے۔ **و رسولہ** اور اللہ کے رسولؐ سے جس نے مقابلہ شروع کر دیا فرمایا۔

فان لہ نار جھنم خالدا" فیھا۔ یہ صریح کفر ہے اور ایسے لوگوں کا انجام جہنم ہے جس میں انہیں ہمیشہ رہنا ہو گا۔

ذالک الخزیُ العظیم اور یہ بہت ذلت کی بات ہے بہت بڑی ذلت ہے اس میں۔

جس طرح بعض حراموں کو لوگ حلال سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اس طرح بعض حلالوں کو حرام سمجھتے ہیں جب تک آدمی کا ہوش قائم ہے مکلف ہے۔ نماز فرض کر دی اب آپ تماشا دیکھیئے کہ ایک آدمی ولایت الٰہی کا دعویٰ رکھتا ہے قرب الٰہی کا دعویٰ رکھتا ہے اور نماز کو غیر ضروری قرار دے دیتا ہے نماز ادا ہی نہیں کرتا یعنی اگر اس کا عقیدہ رہتا کہ میں نماز نہیں پڑھتا ہوں میں گناہ گار ہوں تو وہ گناہ گار ہوتا مسلمان تو رہتا لیکن ترک صلوٰۃ کو اس نے قرب الٰہی کی دلیل بنا لیا اللہ نے اسے اللہ سے دوری کی دلیل بنایا رسولؐ نے اسے اللہ سے دوری کی دلیل بتایا اس نے اسے قرب الٰہی کی دلیل بنا لیا تو کافر ہو گیا۔

اور جہالت ہم میں اتنی ہے جو شخص کفر کا ارتکاب کر رہا ہے ہم اسے مقرب بارگاہ خیال کر لیتے ہیں اس طرح ستر عورت بھی فرض عین ہے جس طرح نماز فرض عین ہے اگر ہوش قائم ہے عقل قائم ہے کوئی اور جواز شرعی نہیں ہے تو بغیر کسی عذر کے وہ ستر نہیں کھول سکتا لیکن جو بالکل بے لباس ہو جاتے اسے ہم کامل ولی خیال کر لیتے ہیں یعنی یہ ایک آدمی کی بات نہیں آپ اپنے معاشرے میں اپنے ماحول میں اپنے اردگرد دیکھیں تو آپ کو ایسے سینکڑوں نمونے نظر آئیں گے کہ جن باتوں سے اللہ نے منع فرمایا جن باتوں سے رسولؐ نے منع فرمایا ہے انہیں اختیار کر کے جواز یہ تراشا جاتا ہے کہ یہ تو اللہ کا مقرب ہے اسے اس کی کیا ضرورت ہے کمال ہے یعنی مقربین کے لئے کوئی اور اسلام ہے کوئی اور قانون ہے کوئی اور شریعت ہے کوئی اور نبوت ہے اور عام آدمیوں کے لئے کوئی دوسرا قانون ہے دوسری نبوت ہے۔

تو اس آدمی نے جو باتیں کافرانہ کیں جو باتیں ممنوع تھیں انہیں قرب کی دلیل ثابت کرنے کی کوشش کی اور یہ کفر ہے اب اگر وہ اس بات پر رہتا کہ یہ لباس میں نے اتار دیا میں بڑا ظالم ہوں میں گناہ کر رہا ہوں میں نماز نہیں پڑھتا میں گناہ کر رہا ہوں بڑی سادہ سی بات ہے کم از کم مسلمان تو رہتا اگرچہ گناہ گار ہے۔

ایک دفعہ ایک پیر صاحب تشریف لائے بڑے لوگ ان کے مرید تھے حضرت جیؒ نے ان کے مریدوں سے پوچھا بھئی تمہارے پیر کو ہم نے مسجد میں نہیں دیکھا نماز پڑھتا بھی ہے یا نہیں جب مسجد میں نہیں آتا شاید جہاں ٹھہرا ہوا ہے پڑھ لیتا ہو گا تو انہوں نے کہا کہ حضرت تو نماز بیت اللہ شریف میں پڑھتے ہیں یہاں لوگوں کے سامنے پڑھتے ہی نہیں۔ ساری نمازیں وہاں پڑھتے ہیں۔ حضرت کی طبیعت بڑی مزے دار تھی ساری عمر باطل قوتوں کے ساتھ مناظرے کرتی ہوئی گزری۔ مناظر تو بڑے حاضر جواب ہوتے ہیں آپ نے فرمایا ایسا کرو آج اسے کھانا مت دو اسے کہو جب بیت اللہ میں نماز پڑھنے

منافق ایسا کافر ہوتا ہے جو اپنے آپ کو ایماندار ظاہر کرتا ہے لیکن ایمان اس میں ہوتا نہیں دنیوی فوائد کے لئے دنیوی چیزوں کے حصول کے لئے ' اسلامی ریاست میں ' یا اسلامی طاقتوں کے سامنے یا اسے نظر آتا ہے کہ یہاں مسلمان بن کر رہنے سے مجھے دنیوی فوائد ہوں گے تو اس غرض کے لئے وہ اپنے مسلمان مسلمان ہونے کا ڈھنڈورا پیٹتا رہتا ہے حقیقتاً اس کے دل میں اسلام سے دشمنی ہی ہوتی ہے اور یہ کفر کی انتہائی گھٹیا اور سب سے شدید ترین قسم ہوتی ہے۔

جاؤ وہاں سے کھانا بھی کھا کر آنا۔ کھانا یہاں کھاتا ہے اور نماز وہاں پڑھتا ہے یہ عجیب بات ہے یعنی جب پانچ دفعہ دن میں مکہ مکرمہ جاتا ہے اسے کہو آج صبح شام دو وقت کا کھانا وہیں کھا لینا۔ اگر وہاں کھانا نہیں کھا سکتے تو وہاں نماز کیسے پڑھ لیتا ہے بڑی سادہ سی بات ہے۔

تو دنیوی فوائد کے لئے دنیوی ضرورتوں کے لئے گرمی سردی کے لئے تو یہاں کمبل مانگتے ہو بھوک کے لئے یہاں کھانا طلب کرتے ہو نماز کی باری آتی ہے تو کہتے ہو میں مکہ مکرمہ میں پڑھ آیا ہوں کمال ہے۔ یعنی یہ کتنا بڑا ظلم ہے بلکہ ایک کام جو ظاہرا" ایک فرض عین کی خلاف ورزی ہے اور اللہ کے غضب کی دلیل ہے آپ اسے قرب الٰہی کی دلیل ثابت کرنا شروع کر رہے ہیں۔

کسی حلال کو حرام ثابت کرنا کسی نیک کام کو خراب ثابت کرنا یا اس پر طنز کرنا یا اسے معیوب سمجھنا یا کسی برائی پر فخر کرنا یا اسے جائز خیال کرنا اللہ کریم فرماتے ہیں یہ اس شدید درجے کا کفر ہے کہ دعویٰ اسلام کے باوجود ایسے لوگوں کا حشر منافقوں کے ساتھ ہو گا۔ ان لوگوں کے ساتھ جن کا دعویٰ اسلام کا ہوتا ہے اور ہوتے کافر ہیں۔

چونکہ نور ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ معیار حق جو ہے وہ ارشادات رسول ﷺ، احکام الٰہی ہوں میری آپ کی رائے معیار حق نہیں ہے مجھے ٹھوکر لگ سکتی ہے آپ کو دھوکا لگ سکتا ہے حق وہی ہے جو اللہ نے فرمایا اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا اب اگر اس پر ہم سے عمل میں کوتاہی ہوتی ہے تو اس کوتاہی کا اقرار چاہئے کہ جو مجھ سے ہوا ہے یہ غلط ہے اس پر توبہ کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے۔

مولانا تھانوی ؒ نے ایک جگہ تشریح فرمائی ہے کہ بدعات میں جو لوگ گرفتار ہو جاتے ہیں انہیں بہت کم توبہ نصیب ہوتی ہے۔

اس کی وجہ وہ یہ لکھتے ہیں کہ گناہ سمجھے آدمی تو اس سے توبہ کرے مگر اس بدعت کو قرب الٰہی کا سبب اور ثواب سمجھ لیتے ہیں۔ تو ثواب سے بھلا کوئی کیوں توبہ کرے گا یعنی ایک کام کو جب وہ ثواب سمجھتا ہے نیکی سمجھتا ہے تو اس سے توبہ کیسے کرے گا توبہ تب کرے گا جب اسے وہ گناہ سمجھتا ہو اور اس طرح کھانے پینے کے لئے لوگوں نے بے شمار رسومات جاری کر دی ہیں اب رسم کو رسم کے درجے میں سمجھا جائے تو شاید کوئی اسے برداشت کرنے کی گنجائش نکل آئے لیکن اگر آپ اسے دین ثابت کرنا چاہیں تو پھر یہ کفر ہو جائے گا کیونکہ دین ثابت کرنا تو اللہ کا کام ہے اللہ کے رسول ﷺ کا کام ہے میرا اور آپ کا نہیں۔ ایک کام کو اللہ نے اللہ کے رسول ﷺ نے دین قرار نہیں دیا میں اور آپ اسے دین قرار دینا شروع کر دیتے ہیں یہ تو زیادتی ہے۔

کینیڈا میں میں نے جمعہ پڑھایا تو جمعہ کے بعد کچھ

لوگوں نے سوال جواب کچھ باتیں پوچھیں تو ایک سوال یہ بھی تھا کہ حضور اکرمؐ کی ولادت مبارک جو ہے یہ گیارہ کو ہے یا بارہ کو ہے یا کون سا دن؟ کیونکہ گیارہ کے متعلق بھی روایات ملتی ہیں بارہ کے متعلق بھی ملتی ہیں۔ میں نے کہا میں آپ کو بڑی سیدھی سی بات بتاؤں نبی اکرمؐ نے اپنی ترسیٹھ برس دینوی حیات میں کبھی اپنا برتھ ڈے نہیں منایا۔ یہ جو آپ مناتے ہیں۔ یہ آپ نے انگریز سے حاصل کیا۔ انگریز اپنا اور اپنے مشاہیر کا برتھ ڈے مناتا ہے آپ نے حضورؐ کا منانا شروع کر دیا اب اسے رواج ہی سمجھیں تو رواج کے لئے تو اتنی تحقیق کی ضرورت نہیں ہے ایک رسم ہے آپ نے گیارہ کو کر لی بارہ کو کر لی کیا فرق پڑتا ہے لیکن اگر آپ اسے دین سمجھیں گے تو پھر یہ آپ کو اسلام سے باہر لے جائے گی کیونکہ یہ کام نہ حضورؐ نے کیا ہے نہ صحابہ نے کیا ہے نہ خلافت راشدہ میں ہوا ہے یہ برتھ ڈے منانے کا رواج ہی یورپین اقوام نے شروع کیا اب یہ بڑھتے بڑھتے اتنا ضروری ہو گیا کہ مرنے والے مرجاتے ہیں اور قبر پر بیٹھے ہوئے وہ گا رہے ہیں۔ (HAPPY BIRTH DAY TO YOU) عجیب بے تکی بات ہے۔

تو اس طرح کی بے شمار ایسی رسومات ہیں جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں اگر ہم اسے رسم کے درجے میں رکھیں تو ممکن ہے اس میں گناہ نہ ہو ثواب ہو جیسے یہی میلاد کی محافل ہیں تو اگر اس میں آپ سال کسی بھی دن ایک مجلس قائم کر لیتے ہیں اور حضورؐ کی سوانح کو حضورؐ کی سنت یا دین کے متعلق یا آپؐ کے معجزات کے متعلق باتیں کرتے ہیں تو یہ عین دین ہے یہ تو کار ثواب ہے کچھ دوستوں کی دعوت کر دیتے ہیں کھلا پلا دیتے ہیں ثواب ہے لیکن آپ نے اسے معیار دین سمجھ لیا وہ معیار دین تو نہیں تھا وہ تو ایک رسم تھی جب تک وہ شرعی حدود کے اندر ہے اس میں برکت بھی ہے ثواب بھی ہے کوئی حرج کی بات نہیں اور ہمارے ہاں زیادتی یہ ہے کہ جو منع کرنے پہ آجائے وہ سرے سے انکار کر دیتا ہے جو اقرار کرنے پہ آئے گا وہ اسے دین کا حصہ بنا کے چھوڑے گا۔ درمیان میں ہم نہیں رکتے حالانکہ بات بین بین ہے ہم کہتے ہیں ہم شام کو جمع ہوں گے حضورؐ کا ذکر خیر ہو گا آپ کی نعت اور مدحت پڑھیں گے آپ کے لئے ہم درود شریف پڑھیں گے یا ہم آپ کے نام پر اللہ کے نام پر اس کا ثواب ہم حضورؐ کی خدمت میں ہدیتہً پیش کرنے کے لئے کھانا کھلائیں گے تو حرج کیا ہے؟ یہ تو سارا ثواب ہے جب تک کوئی ایسا کام اس میں نہ کیا جائے جو حدود شرعی کے خلاف ہو تو ثواب ہی ثواب ہے لیکن یہ تب تک ثواب ہے جب تک آپ اسے اپنی طرف سے ایک شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے ذکر خیر کی برکت کی محفل سمجھتے ہیں لیکن اگر اسے آپ دین کا معیار بنا لیتے ہیں اور کہتے ہیں جو شریک نہیں ہوتا وہ مسلمان ہی نہیں رہتا تو معیار دین تو اسے حضورؐ نے نہیں بنایا نہ یہ ضرورت دین ہے تو غیر دین کو دین ثابت کرنا کفر ہے اسی طرح دین کے احکام کو غیر ضروری سمجھنا جیسے کوئی کہتا ہے جی یہ تو بہت پہنچا ہوا ہے اسے نماز روزے کی ضرورت نہیں یہ عقیدہ خود کا فرانہ ہو جائے گا کہ جو ضرورت تھی دین کی اسے غیر ضروری قرار دے دیا تو عمل کی اپنی حیثیت ہے لیکن نظریات جو ہوتے ہیں جنہیں ہم عقائد کہتے ہیں یہ اساس اور بنیاد ہوتے ہیں عمل پر بھی نتیجہ مرتب ہوتا ہے کسی اساس اور بنیاد کے اعتبار سے اگر یہ غلط ہے تو عمل اچھا بھی کرو گے تو نقصان ہی رہے گا آپ بنیاد صحیح نہیں بناتے اوپر اچھا میٹریل بھی لگائیں گے تو وہ مکان گرے گا وہ لوگوں کو لے کر دفن ہی کرے گا تو اعمال کی بنیاد جو ہے وہ اس کی اساس ہے جیسے حدیث شریف میں ارشاد ہے۔ انما

الاعمال بالنیات(اوکما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)کہ اعمال کا اعتبار ان ارادے پر ہے کہ آپ کس ارادے کس نیت سے کر رہے ہیں تو بعض اوقات نیت کی خرابی نیکی کو گناہ میں بدل دیتی ہے اور بعض اوقات نیت کی اصلاح خطاؤں کو بخشوانے کا سبب بن جاتی ہے آدمی غلط کام کرتا ہے مگر ڈرتا ہے کہ میں نے یہ غلطی کی۔ اسے توبہ کی توفیق مل جاتی ہے اور یہ جرم اسے کئی نیکیوں سے زیادہ اللہ کے قریب لے جاتا ہے اگر اس سے ایسے خوف کی کیفیت وارد ہو یا اللہ کی بارگاہ میں روتا ہے گڑگڑاتا ہے اور وہ گناہ اسے قرب الٰہی کا سبب بنا دیتا ہے مہیا کر دیتا ہے اور بعض اوقات نوافل پڑھتے ہیں نمازیں پڑھتے ہیں ہم سمجھتے ہیں کہ ہم بڑا احسان کر رہے ہیں اللہ کریم پر بجائے اس کا شکر ادا کرنے کے کہ اس کا احسان سمجھ لیں کہ ہم نے اسے الٹ لیا۔ عمل نیک تھے ان پر جو نتیجہ ہو گا وہ نیکی پر جو ہوتا ہے وہ نہیں جو گناہ پر ہوتا ہے وہ ہو گا۔

اس لئے اسلام سیدھا سیدھا معاملہ دیکھنا چاہتا ہے ہر فرد کا اللہ کے ساتھ 'رسولؐ' سے۔ درمیان میں کسی تیسرے شخص کو کھڑا نہیں ہونے دیتا وہ امیر ہے فقیر ہے پڑھا لکھا یا جاہل ہے کوئی طاقت ور ہے یا کمزور ہے لیکن اس کا معاملہ براہ راست رب جلیل کے ساتھ ہے اپنے کردار میں اپنے عمل میں اپنی سوچ میں اپنے نظریئے میں اس بنیاد کو مدنظر رکھا جائے تو اللہ کریم کی حفاظت نصیب ہو جاتی ہے توبہ کی توفیق ارزاں رہتی ہے انسان ہوتے ہوئے خطا ہوجائے تو اللہ کی رحمت اللہ کی بخشش اللہ کی مغفرت خطائیں معاف کرنے کے لئے ہی ہے بشرطیکہ خطاؤں کو نیکی ثابت کرنے پہ نہ تل جائے۔

اللہ کریم دین کو سمجھنے کی اور عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

ان احباب کے طرف سے دار العرفان میں قربانی کی گئی

فضل حق صاحب	بریڈ فورڈ	ایک
محمود شاد	"	ایک
سلمان بیگ	"	دو
مسز منور بیگم	"	دو
مسز کنیز رحمان	"	ایک
محمد منیر	"	ایک

وہ اسرار و رموز جو ایک صوفی کو مشاہدہ، قلب اور مشاہدہ باطنی نصیب ہونے کے بعد حاصل ہوتے ہیں ان کو ایسے لوگوں کے سامنے بیان کرے جو اس کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں ہر کس و ناکس کے سامنے انکو ظاہر نہ کرتا پھرے کہ وہ اس کی تردید کریں گے اس کا انکار کریں گے اور اس انکار کا سبب وہ شخص ہو گا جو اسرار الٰہی کو نا اہلوں کے سامنے بیان کر رہا ہو گا

☆☆ ۔ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ گزر گاہ کا حق کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "نیچی نظر رکھنا" تکلیف نہ دینا' سلام کا جواب دینا' بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا۔ (صحیح بخاری) الحدیث

ہماری مطبوعات

حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ

○ تصوف

کتاب	قیمت
تعارف	۷/- روپے
دلائل السلوک (اردو)	۷۰/- روپے
دلائل السلوک (انگریزی)	۱۰۰/- روپے
اسرار الحرمین	۱۵/- روپے
عقائد و کمالات علماء دیوبند	۱۰/- روپے
علم و عرفان	۱۰/- روپے

○ حیات بعد الموت :

کتاب	قیمت
سیف اویسیہ	۲۵ روپے
حیات برزخیہ	۴۰/- روپے
حیات النبی	۲۰/- روپے
مذاہب اربعہ اہل سنت کی نظر میں	۱۵ روپے

○ شیعیت ۔ تحقیقی مطالعہ :

کتاب	قیمت
الدین الخالص	۳۰/- روپے
ایمان بالقرآن	۲۵/- روپے
تحذیر المسلمین	۴۰/- روپے
تفسیر آیات اربعہ	۱۰/- روپے
تحقیق حلال و حرام	۲/- روپے
حرمت ماتم	۱۵/- روپے
ایجاد مذہب شیعہ	۲۰/- روپے
شکست اعدائے حسینؓ	۱۰/- روپے
دامادِ علیؓ	۱۰/- روپے
بناتِ رسولؐ	۱۰/- روپے
الجمال والکمال	۱۰/- روپے

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی

کتاب	قیمت
غبار راہ اول	۱۲۰/- روپے
غبار راہ دوم	۱۰۰/- روپے
دیارِ حبیب میں چند روز	۱۰/- روپے
ارشاد السالکین (اول)	۱۰/- روپے
ارشاد السالکین (دوم)	۱۵/- روپے
امیر معاویہؓ	۲۰/- روپے
راہی کرب و بلا	۵/- روپے
عصر حاضر کا امام	۵/- روپے
نور و بشر کی حقیقت	۵/- روپے
حیاتِ طیبہ	۱۰/- روپے

حافظ عبد الرزاق ایم اے اسلامیات و عربی

- [illegible] تفسیر
- [illegible] (اردو)
- [illegible] صحابہ
- اطمینانِ قلب
- تصوف و تعمیر سیرت
- کس لیے آئے تھے؟
- تجلیات
- بزم انجم
- چراغ مصطفٰی
- کونوا عباد اللہ
- انوار التنزیل
- مغالطے

قیمتیں: ۱۰/- روپے، ۱۰/- روپے، ۲۵/- روپے، ۳۰/- روپے، ۲۰/- روپے، ۳۰/- روپے، ۲۵/- روپے، ۱۵/- روپے، ۱۰/- روپے، ۱۵ روپے، ۲۰/- روپے

سول ایجنٹ : اویسیہ کتب خانہ

اویسیہ سوسائٹی کالج روڈ ۔ ٹاؤن شپ لاہور

MONTHLY

AL-MURSHED

CPL # 3

اسرار التنزیل

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان کی دلکش
تحریریں قرآن کریم کی ایک منفرد انداز تفسیر ۔ کہ قرآن
کریم کو سمجھنا نہ صرف آسان بلکہ دلچسپ بنا دیا ہے
پڑھ کر خود ہی افادیت کا اندازہ لگائیے اب تک
نو (۹) جلدیں چھپ چکی ہیں ۔ آرٹ پیپر پر مجلد
اور آفسٹ پیپر پر عام مجلد دستیاب ہیں

اویسیہ کتب خانہ اویسیہ سوسائٹی کالج روڈ
ٹاؤن شپ لاہور

www.QuranTafseer.net

الحمدللہ کوشش کی گئی ہے کہ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے حوالے سے تمام کتابیں اور آڈیو ویڈیو بیانات کو آپکی سہولت کے لیے ایک جگہ پر اکٹھا کر دیا جائے اور تازہ جمعہ بیانات بھی آپ فوراسن سکیں۔ویب سائیٹ کی اینڈرائیڈ ایپلیکیشن بھی موجود ہے

آپ اپنے اینڈرائیڈ موبائل میں پلے سٹور سرچ میں جا کر نیچے دیئے گئے الفاظ لکھ کر آسانی سے یہ ایپلیکیشن سرچ کر کے انسٹال کر سکتے ہیں۔

اس ویب سائیٹ اور ایپلیکیشن سے آپ یہ سب کچھ حاصل کر سکتے ہیں۔

1-مفسّر، مترجّم ومفکّرِ قرآن حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کی آڈیو،وڈیو اور تحریری تینوں طرح کی مکمل 30 پارہ اردو تفسیر اور مکمل 30 پارہ پنجابی تفسیر آڈیو وڈیو۔ 2-مشکوۃ شریف احادیث کی تشریح آسان ترین انداز میں آڈیو اور وڈیو بیانات۔3- اگر آپ کو قرآن ناظرہ پڑھنا نہی آتا یا آپ نے قرآن پڑھنا بہت پہلے سیکھا مگر اب صحیح تلفظ سے نہی پڑھ سکتے تو اب آپ دس دس منٹ کی کچھ وڈیوز دیکھ کر ناظرہ قرآن روانی سے پڑھنا سیکھ سکتے ہیں۔4-اس زمانہ کے سب سے مشہور 4 قاری صاحبان قاری مشری صاحب قاری السدیس صاحب قاری عبد الباسط صاحب اور قاری عادل الکلبانی صاحب کی آواز میں پورے قرآن کی آڈیوز سن سکتے ہیں۔5-حضرت مولانا امیر محمد اکرم اعوان رحمۃ اللہ علیہ کا نعتیہ کلام 6-ذکر کرنے کا ایسا طریقہ جس سے آپ کا دل اور جسم کا ہر ذرہ اللہ کا ذکر کرنے لگے مکمل تفصیلات موجود۔ 7- پچھلے دس سال کے سالانہ اور ماہانہ روحانی اجتماعات آڈیو وڈیو بیانات کا خزانہ 8-اسلامی سوال جواب ٹی وی پروگرام المرشد کی تمام آڈیوز وڈیوز۔

9-سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی تمام کتابیں اور 1981 سے آج تک کے تقریبا تمام المرشد میگزین پی-ڈی-ایف میں ڈاؤن لوڈ کے لیے موجود۔ جلسوں، جمعہ بیان، سالانہ، ماہانہ اجتماعات کے بیانات کی تازہ آڈیوز فورا ایپلیکیشن اور ویب سائیٹ پر آپ سن سکتے ہیں۔ آئی فون، ونڈوز موبائل اور کمپیوٹر والے حضرات یہ سب کچھ اوپر دی گئی ویب سائیٹ سے حاصل کر سکتے ہیں۔

آپ کی سہولت کے لیے سلسلہ کی کوئی بھی کتاب یا کسی بھی پارہ کی تفسیر پی-ڈی-ایف میں آپ کو اپنے وٹس ایپ پر چاہیے ہو تو اس نمبر پر کتاب کا نام یا پارہ نمبر بتا کر اپنے وٹس ایپ سے میسج کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ 03235205255